ماہنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
December 2021

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 42 No. 02 December 2021

Rabi'ul-Akhir/ Jumada al awwal 1443 AH

جلد: 42 شمارہ: 02 دسمبر 2021ء

ربیع الآخر جمادی الاول 1443ھ

مدیر مسؤل

محمد حفیظ اللہ خان المدنی

مدیر انتظامی

شعیب احمد میرپوری

زیر نگرانی

محمد عبدالہادی العمری

مجلس ادارت

ڈاکٹر صہیب حسن

ڈاکٹر محمد بہاؤالدین

عبدالرب ثاقب

حافظ عبدالاعلیٰ درانی

شفیق الرحمٰن شاہین

ذکاء اللہ سلیم

مؤسس

محمد عبدالکریم ثاقب

ایڈیٹر

عجائب خان

کمپوزنگ وتزئین

حافظ محمد عمر

فہرست مضامین

فکر ونظر	بحث ونظر کا سفر؛ مولانا وحید الدین خان اور فکر فراہی وغامدی	محمد عبدالہادی العمری	03
سیر وسوانح	امیر المؤمنین فی الحدیث: امام بخاری رحمہ اللہ	ڈاکٹر فیض احمد بھٹی	07
حدیث وعلوم الحدیث	زندگی ایسے گزاریں	مترجم: حافظ فیض اللہ ناصر	09
فقہ وفتاویٰ	سوالات کے جوابات	ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)	11
ندائے حرم	جھوٹی مقدمہ سازی، اثرات وعلاج	فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حسین بن عبدالعزیز آل الشیخ حفظہ اللہ ترجمہ: محمد عاطف الیاس نظر ثانی: محمد اجمل بھٹی	14
حدیث وعلوم الحدیث	عمدۃ الأحکام؛ کتاب الطهارة: طہارت و پاکیزگی کی کتاب (قسط 9)	فضل الرحمٰن حقانی، خطیب وامام محمدی مسجد نیلسن یو کے	17
حدیث وعلم الحدیث	ضعیف اور موضوع روایات اور امت پر ان کے برے اثرات	سعید الرحمٰن بن نور العین سنابلی	19
آپ بیتی	گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را (قسط 5)	ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)	24
عبادات	طاقت وقوت نصرت الٰہی کا عظیم سرچشمہ	ابوارقم عبدالرحیم خرم عمری جامعی	28
یادرفتگاں	علم وعمل کا مرقع، تقوی وتدین کا نمونہ حضرت حافظ محمد یحی عزیز میر محمدی رحمہ اللہ	حافظ عبدالاعلیٰ درانی۔ بریڈفورڈ۔ برطانیہ	33
تاریخ	تاریخ اہل حدیث	ڈاکٹر بہاؤالدین	36

Correspondence Address:

SIRAT-E-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

معروف دینی رہنما، کتب کثیرۃ کے مصنف ماہنامہ 'الرسالہ' کے مدیر مولانا وحید الدین خان صاحب کا 21 اپریل 2021ء دہلی میں انتقال ہو گیا، ان کی وفات کے بعد بڑی تعداد میں لوگوں نے اظہار خیال کیا، کسی نے انہیں عصر حاضر کا مجدد قرار دیا اور کسی نے ضال کہا، یہ دونوں ہی گروہ اپنی گفتگو میں توازن قائم نہ رکھ سکے جو تعلیمات اسلامی کا طرۂ امتیاز ہے، ہمیں تو حکم دیا گیا:

﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾ (سورۃ لقمان:19)

"کہ اپنی چال ڈھال، طور طریق میں میانہ روی اختیار کرو۔"

کسی تعریف یا تنقیص میں اعتدال نہ ہو تو وہ کلام معیوب سمجھا جاتا ہے:

"كلا طرفي قصد الأمور ذميم"

بلاشک وشبہ خان صاحب کے ذریعہ بہت سے خیر کے کام انجام پائے، اللہ قبول فرمائے اور کچھ تسامحات اور لغزشیں بھی ہوئیں، اللہ درگزر کا معاملہ فرمائے۔

بہر حال اس نکتہ پر سب کا اتفاق ہے کہ عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر فراہم کرنے میں انہیں مہارت تھی، کچھ لوگوں نے روایتی انداز فکر اور مدرسہ فراہی کے درمیان انہیں ایک پل قرار دیا اور کچھ لوگوں نے عقل پرستوں نیچریت اور ظاہر بینوں کے درمیان علامت وسط کہا۔

جنوبی ہند کے مشہور درسگاہ جامعہ دار السلام عمر آباد میں جب ہم زیر تعلیم تھے، اس وقت برصغیر کی جن شخصیات کا طلبہ کے درمیان چرچا تھا ان میں مولانا وحید الدین خان ؒ کا اسم گرامی نمایاں تھا، خاص طور پر ان کی کتاب مذہب اور علم جدید کا چیلنج کے حوالہ سے، اس کتاب کے ایک دو نسخے طلبہ تک پہنچے تھے، غیر درسی کتب کے اوقاتِ مطالعہ میں اس کے مندرجات سینئر طلبہ سے ہم سنا کرتے، کتاب کا محققانہ اسلوب، قوت استدلال اور پھر اسلامی تعلیمات کی عظمت کے نقوش قاری کو ذہنی مرعوبیت سے نکال کر دینی تعلیمات کی حقانیت کا قائل کرتے، پھر مولانا کی مختلف کتابوں کے مطالعہ کا شوق بڑھتا گیا، مولانا کی نگارشات میں فکر آخرت گویا مرکزی اور اہم نکتہ تھا کہ دنیا کو آخرت کی کامیابی کا زینہ بناؤ وہ مسائل اور دشواریوں کی شکایات کرنے اور اپنی محرومی یا ناکامی کا شکوہ کرنے اور راستہ میں حائل سیاسی اور سماجی ناانصافیوں کے ذکر میں اپنی توانائیاں صرف کرنے کے بجائے زور دیتے کہ ان رکاوٹوں سے اعراض کرتے ہوئے نئی راہیں تلاش کیجیے:

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے
نگاہ یار سلامت ہزار میخانے

مولانا کے بعض خیالات سے اختلاف کی گنجائش ہے، لیکن وہ اپنے کس وناکس کے بس میں نہ ہوتا۔

ماہنامہ 'الرسالہ' کا بیشتر حصہ فردِ واحد کی صلاحیت کا نمونہ تھا، اگرچہ پرچہ کو شائع ہوتے ہوئے چار دہائیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا لیکن ہر ماہ نئے شمارہ کا قارئین کو شدت سے انتظار رہتا۔ بلاشبہ صحافتی دنیا میں یہ عظیم کارنامہ ہے، رسالہ کا اپنا اسلوب تھا، مختصر مضامین، گردو نواح کی چھوٹی موٹی باتوں سے سبق آموز نتائج قرآنی آیات، احادیث اور سیرت سے استدلال اور مولانا کی تحریروں میں معلوماتی مواد کے ساتھ اردو ادب کی چاشنی اور سلامت ایسی تھی کہ ایک صفحہ کا مطالعہ دوسرے صفحہ کی طرف اور دوسرا تیسرے کی طرف خود بخود لے جاتا، عموماً دیکھا گیا کہ لوگ خطبات اور تقریروں کے ذریعہ تذکیری پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں لیکن مولانا نے اپنی تحریروں کے ذریعہ یہ کام لیا، تحریر میں مؤثر تذکیری اسلوب کو اپنانا قدرے دشوار ہے۔

ان خوبیوں کے باوجود ان کی طبیعت میں سادگی کی یہ کیفیت تھی کہ لباس اور کھانے پینے میں کسی طرح کے تکلف کو پسند نہ کرتے، اہم مقامات کا وزٹ یا نامور شخصیات سے ملاقات ہوتی تب بھی یہی ادائے قلندری برقرار رہتی:

"خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ"

بعض مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود دعوتی کاز کیلئے ان کے خلوص اور تڑپ سے انکار ممکن نہیں۔

مولانا جب اسلامی پروپیگیشن سنٹر کی دعوت پر پہلی بار برمنگھم تشریف لائے ان کے میزبان بھائی شمشاد خان صاحب نے ان کے پروگرامز کی فہرست میں جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے مرکز کی وزٹ بھی رکھی، یہاں کے بعض علماء اور اراکین کے ساتھ مولانا کے دیرینہ تعلقات تھے، جمعیت کی طرف سے شائع ہونے والے اردو مجلہ ماہنامہ 'صراط مستقیم' کا ایک مستقل کالم درس قرآن ہے۔ اس میں عرصہ تک اس وقت کے مدیر مسؤل مولانا محمود احمد میرپوری ؒ مولانا کی تذکیر القرآن کا حصہ یہی شائع فرماتے رہے، نیز الرسالہ کے مختلف اقتباسات بھی جمعیت کے مجلہ میں چھپتے رہے۔ مہمان گرامی نے 'صراط مستقیم' کی مختلف پہلوؤں سے تعریف اور حوصلہ افزائی کی، اس دورہ میں مولانا کے ساتھ دو نشستیں ہوئیں، ایک

خصوصی نشست جس میں اہم موضوعات پر علماء کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا بلکہ یوں کہیے کہ اشکالات پر گفتگو ہوئی، مولانا کا ایک وصف تھا کہ اختلاف رائے کو اہمیت سے سنتے اور دلائل پر مناقشہ بھی کرتے۔ گفتگو کے بعد مولانائے محترم نے کچھ باتوں پر دوبارہ غور کرنے کا وعدہ کیا اور بعض کے متعلق کہا کہ یہ میری رائے ہے اگر آپ مطمئن نہیں تو اس رائے کو چھوڑ دیجیے، دوسری نشست خطاب عام کے لیے تھی، خاصی تعداد میں احباب جمع تھے، میں نے خطاب سے پہلے تعارف میں ایک بات کہی تھی کہ مولانا نے کیمونزم کے بارہ میں کہا تھا کہ یہ نظریہ زوال پذیر ہے

اپنے مؤقف کے اظہار میں کسی تعریف یا مخالفت کی پرواہ نہ کرتے، ان کے نتیجۂ فکر سے اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن جس بات کو درست سمجھا ہے اس کا برملا اعلان کیا۔

مولانا اپنے پیچھے بیش بہا علمی خزانہ چھوڑ گئے ہیں جو متلاشیانِ حق کی پیاس بجھاتا رہے گا، ان شاء اللہ، دارِ فانی سے 96 برس کی عمر میں کوچ کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں اور تسامحات سے درگزر کا معاملہ فرمائے اور حسنات قبول کر کے اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے، ان کی موت پر جناب جاوید غامدی صاحب نے کہا کہ مولانا روایتی فکر یعنی احادیث سے استدلال

پہلو کتابِ ہدایت کی شایانِ شان نہیں، عربی کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم، الفاظ کی گہرائی میں غوطہ زنی مفید تر لیکن اس اعتراف کے باوجود یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن مجید ہدیت نامہ ربانی ہے جس کی درست فہم کے لیے ہادیٔ برحق کی لازمی ضرورت ہے، اگر اس مرسل جسے اُسوہ بنا کر بھیجا گیا جو ناطق بالوحی ہے جو خود افصح العرب ہے ﷺ آپ کے اقوال وفرامین سے پہلو تہی اختیار کی جائے اور صرف عربی لغت کی معرفت کو اساس بنایا جائے، یہ اسلوب حق اور انصاف کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔

دلچسپ بات تو یہ ہے کہ قدیم عربی ادب کی حفاظت کا

> مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کی "تدبرِ قرآن" اگرچیکہ اردو زبان میں اس حیثیت سے اہم اضافہ ہے کہ عربی الفاظ کی گہرائی میں ڈوب کر معانی کے موتی اس میں سجائے گئے ہیں اور آیات کے درمیان باہمی ربط اور تعلق بڑے عمدہ پیراہ میں بیان کیا گیا ہے جو کہ اہل علم کے لیے اہم کاوش ہے۔ فجزاہ اللہ خیرا، لیکن اس تفسیر میں احادیث سے بڑی حد تک استغناء کا مظاہرہ کیا گیا، یہ پہلو کتابِ ہدایت کی شایانِ شان نہیں، عربی کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم، الفاظ کی گہرائی میں غوطہ زنی مفید تر لیکن اس اعتراف کے باوجود یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن مجید ہدیت نامہ ربانی ہے جس کی درست فہم کے لیے ہادیٔ برحق کی لازمی ضرورت ہے۔

اور جلد ناکام ہو جائے گا حالانکہ جب یہ بات کہی گئی وہ اس وقت عروج پر تھا پھر تقریباً 30 سال بعد اس کی شکست وریخت ہوئی، ہمیں ایسے رہنماؤں کی ضرورت ہے جو قبل از وقت حالات کی تہہ تک پہنچ کر درست رہنمائی کر سکیں، اس تعارفی نکتہ کے تذکرہ کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگ بہت توجہ سے مولانا خطاب سنتے رہے اور وقفۂ سوالات میں کئی احباب نے مسئلہ کشمیر کے حوالے سے سوالات بھی کیے کہ اگر مولانا کی نظر اتنی گہری اور دور رس ہے تو اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں۔

مولانا اپنے افکار وخیالات میں تقلید جامد کے سخت خلاف تھے، اپنے مطالعہ اور غور وفکر کے نتیجہ میں جس بات کو درست سمجھا اس کا اظہار کیا وہ اس اصول پر عمل پیرا تھے:

﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾

کرتے ہوئے مکمل حوالہ جات اہتمام فرماتے۔ علامہ الشیخ البانی رحمہ اللہ کی فن حدیث پر تحقیق مساعی کی بہت قدر کرتے جبکہ فکر فراہی اور اصلاحی میں احادیث کا استخفاف اس حد تک پایا جاتا ہے کہ بسا اوقات انکار حدیث کی بو محسوس ہوتی ہے جو کہ دین فہمی کے لیے ایک غیر حقیقی اصول اور جسارت بیجا ہے۔ آج کل عصری تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ فکر تیزی سے پھیل رہی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کی "تدبرِ قرآن" اگرچیکہ اردو زبان میں اس حیثیت سے اہم اضافہ ہے کہ عربی الفاظ کی گہرائی میں ڈوب کر معانی کے موتی اس میں سجائے گئے ہیں اور آیات کے درمیان باہمی ربط اور تعلق بڑے عمدہ پیراہ میں بیان کیا گیا ہے جو کہ اہل علم کے لیے اہم کاوش ہے۔ فجزاہ اللہ خیرا، لیکن اس تفسیر میں احادیث سے بڑی حد تک استغناء کا مظاہرہ کیا گیا، یہ

بڑا ذریعہ خود صحابہ کرام کا مرہونِ منت ہے، ورنہ ان ہستیوں کو اگر حذف کر دیا جائے تو عربی ادب جو مستند ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے وہ برائے نام ہی رہ جاتا ہے، اکابر صحابہ کی اکثریت خود عربی الاصل والنسل تھی جو افصح العرب رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست سمجھ رہے تھے کہ کس کلمہ کا کیا مفہوم متعین کیا جا رہا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے اعمال وافعال کو اپنے الفاظ میں بیان کر رہے تھے جسے روایت بالمعنیٰ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بعض الفاظ کے متداول معانی اور مفہوم جو انہوں نے بیان کیے اس کی تفصیل کتب احادیث کے باب التفسیر میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، لیکن فراہی واصلاحی میں احادیث کے لیے گنجائش بہت کم دکھائی دیتی ہے، یوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی اکثریت جو عربی مبین کے بولنے اور برتنے والے تھے اور جو افصح العرب ﷺ کے براہِ راست

شاگرد، جن کے سینے انوار رسالت کی کرنوں سے منور ہو رہے تھے، ان بزرگوں کی تفسیری وضاحتوں کو نظر انداز کر کے یا دوسرے بلکہ تیسرے درجہ پر رکھ کر فکر اصلاحی کے حاملین ومتاثرین عرب شعراء کے کلام کی مدد سے قرآن مجید کے معانی ومطالب بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں؟!

علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی باقاعدہ تصانیف کا بہت کم حصہ چھپ کر ہم تک پہنچا، اس لیے براہِ راست ان کی فکر کے حوالے سے گفتگو زیادہ تر قیاس پر مبنی ہوگی، تاہم ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے جو تفسیر لکھی اس میں اپنے اُستاذ علامہ فراہی کے ارشادات اور طرز فکر کو بنیاد بنانے کی بات کی گئی اس لیے اس فکر کو فکر فراہی کا نام دیا گیا، لیکن علامہ فراہی اور مولانا اصلاحی کے درمیان الفاظ کی گہرائی اور نظم قرآن کے اشتراک کے باوجود احادیث کی اہمیت اور عملی زندگیوں میں نمایاں فرق ہے، راقم کو تردد ہے کہ مولانا اصلاحی کی فکر کو کلی طور پر فکر فراہی قرار دیا جائے، دونوں میں عموم خصوص کی نسبت پائی جاتی ہے اور یہی فکر جناب اصلاحی کے شاگرد جناب جاوید غامدی تک پہنچتے پہنچتے کہیں سے کہیں جا پہنچی، جو مختلف اردو ٹی وی چینلز پر اسلامی اسکالرز کے طور پر تشریف لاتے ہیں۔ علامہ حمید الدین فراہی (متوفی 1930ء) ایک خاموش انقلابی شخص تھے، خاموش اس لیے کہ ہنگامہ زندگی اور رنگینی ایام سے دور زندگی گزارنے کو انہوں نے ترجیح دی، لیکن انقلابی اس معنٰی میں کہ عربی لغت کو اس کا صحیح مقام دینے کی بنا ڈالی۔ عربی الفاظ کے سمندر میں غوطہ زنی کر کے جو موتی انہوں نے نکالے وہ کوشش بہت ہی قابل قدر ہے، جسے جناب ڈاکٹر اجمل ایوب اصلاحی نے مفردات القرآن میں بڑی محنت سے جمع کیے ہیں، یہ کتاب دائرہ حمیدیہ سے شائع ہو چکی ہے، علامہ فراہی کی مہارت کا ایک سبب شاید یہ بھی تھا انہیں مختلف اہم زبانوں پر دسترس حاصل تھی، اسی مہارت کے باعث حیدر آباد دکن میں سلطنت آصفیہ کی جانب سے اہم منصب اور اعلیٰ وظیفہ ان کے لیے مقرر کیا گیا، چند برس وہاں انہوں نے گزارے پھر مزید ترقی کے امکانات کو چھوڑ کر شمالی ہند کے دور افتادہ علاقہ میں گوشہ عافیت تلاش کیا، شاید جو انقلابی کام وہ کرنا چاہتے تھے اس کے لیے گوشۂ عزلت ضروری سمجھا گیا ورنہ حیدر آباد دکن میں سکونت دار العلوم میں ملازمت اور اہل علم میں قدر ومنزلت کو ترک کر کے شمالی ہند کے دور افتادہ علاقہ اعظم گڑھ میں گوشۂ عافیت تلاش کرنے کی کیا تعبیر ہوسکتی ہے، لیکن ان کا یہ کام زیادہ آگے نہ بڑھ سکا، ان کے متعلق جن اہم شخصیات نے اظہار خیال کیا، ان میں نمایاں مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا شبلی نعمانی وغیرہ وغیرہ نے علامہ فراہی کی متقیانہ زندگی، زہد اور متاثر کن عملی پہلوؤں کو اہمیت سے ذکر کیا ہے، مولانا آزاد نے تو یہاں تک لکھا کہ ان کے علم سے زیادہ مجھے ان کے عمل نے متاثر کیا، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص احادیث کا ہی انکار یا استخفاف کر کے اس درجہ متقیانہ زندگی بسر کرے۔

عربی الفاظ کی گہرائی اس حد تک مفید ہوگی کہ اس کے ذریعہ مفہوم قرآنی تک ہم پہنچ سکیں لیکن فکر غامدی تک پہنچتے پہنچتے محسوس ہوتا ہے کہ چھلکوں کو ہی اصل اہمیت دی جا رہی ہے۔ مغز کا ادراک ہی ختم ہوتا نظر آتا ہے کہ قرآن مجید کا مقصد نزول کیا ہے اور حاملین قرآن کی پہلی کڑی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دنیا میں جو انقلاب برپا کیا وہ صرف عربی الفاظ کی معرفت کے باعث ممکن ہوا یا قرآن مجید کو یومیہ زندگی میں بطور ہدایت نامہ ربانی اپنانے کے سبب، الفاظ کا درست مفہوم متعین کرنا یہ وسیلہ ہے، مقصد قرآن تک پہنچنے کے لیے ہے جو کہ اصل غایت ہے، ورنہ وسیلہ کو ہی غایت سمجھ بیٹھنا درست نہیں، کسی آیت کا درست مفہوم متعین کرنے کا صحیح طریقہ ہے کہ ہم دیکھیں اس کا مفہوم خود رسول اللہ ﷺ نے کیا بیان فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا سمجھا، اگر ان گرامی قدر ہستیوں کا بیان کردہ مفہوم صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچے تو وہ عربی لغت کی ہزار ڈکشنریوں پر بھاری ہوگا۔

جن احادیث کے ذریعہ مؤمنانہ زندگی بسر کرنے کے یومیہ مسائل طہارت صلاۃ یا صوم، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی تفصیلات سے معلوم کی جاتی ہیں، اسی قسم کی احادیث کو قرآن مجید کی تشریح اور قیامت کی نشانیوں کے باب میں مطلقاً رد کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس فکر کے حاملین خوب واقف ہیں کہ احادیث کے سہارہ کے بغیر طہارت، صلاۃ وغیرہ کی تفصیلات عربی مبین کی مدد سے متعین نہیں کی جا سکتی، چاہے کوئی زبان کی فصاحت وبلاغت میں امرؤ القیس، زہیر اور نابغہ جیسے عرب شعراء کے ہم پلہ ہو جائے لیکن فجر کی دو رکعت یا ظہر کی چار رکعات کی تفصیل عربی ڈکشنری سے نہ معلوم کی جا سکتی ہے اور نہ ہی متعین۔ نہ صوم رمضان کی تفصیلات، نہ زکوٰۃ کی نصاب اور نہ ہی مناسک حج اور ہر یوم کے مطلوبہ اعمال، یہ تفصیلات دور جاہلیت کی عربی لغت سے نہیں بلکہ افصح العرب ﷺ کی بیان کردہ تعلیمات اور تشریحات جو ذخیرہ احادیث میں محفوظ ہیں، اسی کی طرف دیکھنا ہوگا اور اسی ذخیرہ احادیث سے طئے کی جا سکتی ہیں۔ اب یہ کہاں کی دیانتداری ہے کہ عبادات کے مسائل میں احادیث کی طرف رجوع کریں کیونکہ اس کے بغیر ہم مؤمنانہ زندگی بسر ہی نہیں کر سکتے اور باقی مسائل میں اسے ملتی جلتی احادیث صحیحہ کو نظر انداز کر کے صرف علت پر تکیہ کریں، اگر احادیث کی طرف رجوع درست نہیں یا قابل مواخذہ گناہ ہے یا بقول غامدی صاحب یہ جھاڑ جھنکار ہے تو پھر "ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند" کہ یہ ایسی غلطی ہوگی جس کے اس خیال کے حاملین بھی مرتکب ہوتے ہیں، ورنہ

مبادیات دین پر بھی عمل نہیں کیا جاسکتا، یہ گروہ اس کے لیے بے جا تاویلات کا سہارہ لیتا ہے کہ اعمال یومیہ کے لیے تو ہم سنت متواترہ ہی سے معلومات لیں گے یعنی جس ذخیرہ کو آپ نے قولاً وفعلاً مشکوک بنانے کی کوشش کی، اسی پر انحصار کریں گے، باقی اپنی فہم وفراست یا عربی دانی سے!

مولانا وحید الدین خان صاحب نے بعض معاصر اہل علم کی طرف سے بنیادی دینی تعلیمات اور قرآنی تشریحات میں مروجہ سیاسی افکار ونظریات کو داخل کرنے کے خلاف بھی سخت گرفت کی ہے، ان کی کتاب "تعبیر کی غلطی" اس کا ایک مثبت علمی نمونہ ہے، یہ دراصل مولانا ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے فکری اختلافات کا مجموعہ ہے، اس فکر کو مولانا نے تعبیر کی غلطی کا نام دیا ہے، یہ فکر جماعت اسلامی اور الاخوان المسلمین کے نظریات کا ایک بنیادی محور ہے، اس اسلوب سے ہونے والے نقصانات پر الرسالہ کے مختلف شماروں میں نکیر کی اور مختلف ممالک میں اس فکر کے نتیجہ میں ہونے والے نقصانات کا ذکر بھی کیا ہے۔

بعض مشاہیر کی ایک اجتہادی غلطی یہ بھی ہے کہ وہ دینی تعلیمات اس انداز سے دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ مخالفین اور معاندین اسلام کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے یعنی خالص عقلی اور مشاہداتی اسلوب میں دین کی تعبیر! لیکن حقیقت میں یہ فکری انحراف کی ایک شکل ہے، دینی تعلیمات کو عصری اسلوب میں پیش کرنا تو قابل قدر ہے، لیکن خالص عقلی سانچہ میں ڈھال کر پیش کرنا درست نہیں، کیونکہ اس فکر کے حاملین عموماً مشاہدات سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ مشاہدات تغیر پذیر ہیں اور دینی اصول اور ارکان غیر متبدل احکام الٰہی ہیں، جس کا نمونہ سر سید احمد خان صاحب نے پیش کرنے کی جسارت کی، اس میں تو بعض ثابت شدہ معجزات کی تاویل کی گئی اس کی سخت مخالفت بھی ہوئی انہیں اس راہ سے "نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم" اس پر مزید غور طلب پہلو یہ ہے کہ آپ کے اس اقدام اور جسارت سے کیا معترضین راضی ہو جائیں گے اور دینی تعلیمات کے خلاف ہرزہ سرائی سے باز آجائیں گے!

جب ہم یہ اعتراف اور اعلان کرتے ہیں کہ عقیدہ ایک لازمی جزء ایمان بالغیب ہے، پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہوگی کہ ہر مسئلہ اور حکم کی عقلی توجیہہ کرنے کی کوشش کی جائے، بہت سی جزئیات ایسی ہیں جو ہم اس لیے قبول کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے اس کی خبر دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی، چاہے اس کی ہم عقلی توجیہہ کر سکیں یا نہ کر سکیں اور اب تو سائنسی ترقی نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ اس کائنات میں ایسی متعدد چیزیں ہیں جن کی سائنسی توجیہہ نہیں کی جا سکتی، لیکن سائنسدان اس کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں، اس اسلوب کا دوسرا نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ عقل زندہ لوگ بہت سے شرعی امور میں مداہنت، بے جا تاویلات یا معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، جس سے ثابت شدہ احادیث کا انکار یا دور ازکار تاویلات کی ضرور پیش آتی ہے، جس کا مشاہدہ فکر غامدی اور ان کے ہمنواؤں میں کیا جاسکتا ہے۔

یہ منہجی غلطی ہے، اس راہ کے مسافروں سے بڑی بڑی غلطیاں اس لیے سرزد ہوئیں کہ انہوں نے دین فہمی کے مسلمہ اصولوں سے روگردانی کر کے اپنی ایک الگ طرح ڈالی، مشہور صحابی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بہت پہلے اس کا ادراک کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ» (سنن ابو داود:162)

"اگر دین ہماری عقل پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ کام یوں کرنا مناسب ہوتا لیکن ہمیں جو حکم دیا گیا ہم سر مو انحراف نہیں کر سکتے ہم اس کے پابند ہیں، مسح کے مسئلہ میں صحابی رسول ﷺ اظہار خیال کر رہے تھے اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک خاتون کو جو تکرار کر رہی تھیں کہ عورت ماہانہ بیماری کے دوران چھوٹنے والی نماز کی قضا نہیں کرتی تو روزہ کی کیوں؟ ام المؤمنین نے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"أحرورية أنت" "کہ کیا تمہارا حروری لوگوں سے تعلق ہے۔" (صحیح بخاری:728، صحیح مسلم:335)

یعنی اس نوعیت کے سوال کو ناپسند کرتے ہوئے جواب دیا کہ عہد نبوی میں بھی خواتین اس بیماری میں مبتلا ہوتی تھیں وہاں صوم رمضان کی قضا کا حکم دیا گیا اور صلاۃ کا نہیں، گویا کہ دونوں بزرگوں نے اپنے جواب میں منہج کی نشاندہی کر دی کہ جو حکم ثابت ہے اسے اس طرح کرنے کے پابند ہیں نہ کہ عقلی توجیہ اور ذاتی فہم کی بنیاد پر مسائل کے رد وبدل کرنے کے مجاز ہیں۔

اسی منہجی غلطی کے سبب بعض اہل علم نے قرب قیامت کی بہت سی نشانیوں کا انکار کر دیا اور بعضوں نے ناقابل فہم تاویلات کا سہارا لیا۔

لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق: "لا يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها" متاخرین امت کی کامیابی اور مسائل کا حل اسی نسخہ کو اپنانے میں ہے جو متقدمین نے اپنایا اور کارگر ثابت ہوا۔"

صحابہ کرام اور تابعین کے منہج کو اختیار کرتے ہوئے صراط مستقیم کے راہی بنیں۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ﴾ (سورۃ الأنعام:90)

"جن کے ہدایت یافتہ ہونے کی قرآن گواہی دے رہا ہے اور اسی راہ پر چلنے کی تاکید کی جارہی ہے۔"

ورنہ قافلہ حق سے بچھڑ کر پگڈنڈیوں میں بھٹک جاؤ گے۔

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورۃ الانعام:153)

☆☆☆

امیر المؤمنین فی الحدیث: امام بخاری

ڈاکٹر فیض احمد بھٹی

قرآن مجید کے بعد حدیث رسول ﷺ شریعت اسلامی کا دوسرا اہم ترین ماخذ ہے۔ جس طرح قرآن مجید حجتِ فی الدین ہے بالکل ویسے ہی حدیث رسول ﷺ بھی حجت فی الدین ہے۔ جیسے قرآن کا تحفظ اللہ نے اپنے ذمے لیا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

ویسے ہی حدیث کی حفاظت بھی اس نے اپنے ذمے لی ہے:﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ اسلام قرآن اور حدیث دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ کیونکہ ثانی الذکر اول الذکر کی توضیح و تفصیل ہے۔ بلکہ قرآنی آیات حدیثِ رسول ﷺ کی تشریحات کے بغیر واضح نہیں ہو سکتیں۔ جب واضح نہیں ہو سکتیں تو پھر سمجھی نہیں جا سکتیں اور جب سمجھ میں نہیں آئیں گی تو اس کے احکامات پہ عمل کیسے کیا جا سکے گا!؟ پس یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کو ایک دوسرے نہ تو جدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انکی اہمیت، افادیت اور حجت میں کوئی فرق کیا جا سکتا ہے۔

قارئین! اگر ہم تحفظِ حدیث کے لیے کی جانے والی کاوشوں اور محنتوں کی اتھاہ میں اتر کر دیکھیں تو خود حیرت کو حیرت ہو جاتی ہے کہ ناممکن کو ممکن کر دکھاتے ہوئی احادیث کا یہ ذخیرہ کیسے جمع ہو پایا؟ جنھوں نے یہ کام کیا ان کے علم، عمل، حافظے، تحقیق، احتیاط اور تقوے کا عالم کیا تھا؟ اور ہر راوی کے حوالے سے اس کی عدالت و ثقاہت سمیت پورے کردار کی چھان بین میں ازحد رسائیاں کیسے حاصل ہوئیں؟

تو ملاحظہ کیجیے! اللہ نے ایسے رجالِ کار پیدا کیے کہ جنھوں نے اس شاہکار کے لیے اپنی حیات و ممات وقف کر دی۔ دن دیکھا نہ رات، دکھ دیکھا نہ سکھ، حضر دیکھا نہ سفر، کھانا مل گیا کھا لیا، نہ ملا نہ کھایا، دم بدم صبر و شکر سے لبریز رہتے۔ نہ مال جان کی پرواہ کی نہ آرام کی۔ اپنا اوڑھنا بچھونا بس خدمتِ حدیث کو بنا لیا۔

ان عبقری ہستیوں کے وفورِ شعور، پختہ استقامت، خلوصِ نیت اور للّٰہیت کی انتہاؤں کو پہنچی ہوئی بندگی پہ تاریخ انگشت بدنداں ہے۔ ایک ایک روایت کی تدوین و تحصیل کے لیے ان پاکباز محدثین نے بے سروسامانی کے عالم میں پُرخار و دشوار راہوں کے سفر کیے۔ ایک ایک روایت کی تحقیق و تطبیق میں انہوں نے احتیاط کی تمام حدیں پار کر دیں۔ سند و متن کے اعتبار سے اور روایت و درایت کے اعتبار سے ایسے کڑے اصول مقرر کیے کہ جنھوں نے صحیح اور ضعیف حدیث کے مابین حدِ فاصل قائم کر دی۔ یہاں تک کہ خود مستشرقین اپنی کتب میں رقمطراز ہیں:

" احادیث رسول ﷺ کی جمع بندی اور روایت و درایت میں محدثین کی طرف سے کی گئیں خدمات سوچ سے ماورا ہیں۔ لگتا ہے مافوق الفطرت ہستیوں نے یہ بے نظیر کارنامہ انجام دیا ہے۔"

الغرض محدثین نے خدمت حدیث کے حوالے سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ان کی گراں قدر خدمات کا تذکرہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ قارئین! جن حفاظ اور ائمۂ حدیث نے یہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے ان کے سرخیل بخارہ میں پیدا ہونے والے امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔ حدیث کی بے مثل خدمات کے باب میں زعمائے امت کی طرف سے آپ کو ملنے والا "امیر المومنین فی الحدیث" کا لقب آپ کی عظمت و جلالت پر بطور دلیل کافی ہے۔ آپ کے تصنیف کردہ مجموعۂ حدیث میں روایت اور درایت کے حسین ترین امتزاج اور صحت حدیث میں اصول و قواعد کی پوری پوری پابندی کو دیکھ کر علمائے امت یہ بات کہے بغیر نہ رہ سکے کہ "أصح الكتب بعد كتاب الله" یعنی قرآن کے بعد اگر روئے

قارئین! جن حفاظ اور ائمۂ حدیث نے یہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے ان کے سرخیل بخارہ میں پیدا ہونے والے امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔ حدیث کی بے مثل خدمات کے باب میں زعمائے امت کی طرف سے آپ کو ملنے والا "امیر المومنین فی الحدیث" کا لقب آپ کی عظمت و جلالت پر بطور دلیل کافی ہے۔ آپ کے تصنیف کردہ مجموعۂ حدیث میں روایت اور درایت کے حسین ترین امتزاج اور صحت حدیث میں اصول و قواعد کی پوری پوری پابندی کو دیکھ کر علمائے امت یہ بات کہے بغیر نہ رہ سکے کہ "أصح الكتب بعد كتاب الله" یعنی قرآن کے بعد اگر روئے زمین پر کوئی صحیح ترین کتاب بطور حجت فی الدین ہے تو وہ صحیح بخاری ہی ہے۔ تعصب بر طرف، آپ کی حیات و خدمات کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ آپ محدثین میں "آية من آيات الله" تھے۔

زمین پر کوئی صحیح ترین کتاب بطور حجت فی الدین ہے تو وہ صحیح بخاری ہی ہے۔ تعصب برطرف، آپ کی حیات وخدمات کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ آپ محدثین میں "آية من آيات الله" تھے۔

ہم سطورِ زیریں میں امام بخاری رحمۃ اللہ کے شیوخ کے وہ اقوال نقل کریں گے جو انہوں نے اپنے اس تلمیذ رشید کے متعلق کہے۔ نیز آپ کے ہم عصر و غیر ہم عصر معتبر ائمہ کے کچھ اقوال بھی سپردِ حوالہ کریں گے۔ تاکہ اس محدثِ اعظم کی شخصیت و عظمت ہر اعتبار سے نکھر کر سامنے آسکے۔

1. امام بخاری رحمۃ اللہ کے استاد نعیم بن حماد اور یعقوب بن ابراہیم دورقی فرماتے ہیں:
”محمد بن اسماعیل اس امت کے فقیہ ہیں۔“

2. آپ کے استاذ قتیبہ بن سعید کہتے ہیں:
”میں بڑے بڑے فقہا، زہاد اور عباد کا ہم نشیں رہا۔ میں نے محمد بن اسماعیل سے بڑھ کے کوئی ذی فہم نہیں دیکھا۔ آپ اپنے زمانے میں ایسے ہی تھے جیسے صحابہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ۔“

3. آپ کے استاد عمرو بن علی فلاس کہتے ہیں: جس حدیث کے بارے میں محمد بن اسماعیل لاعلم ہو تو وہ حدیث ہی نہیں ہوتی۔

4. آپ کے استاد محمد بن بشار کہتے ہیں:
”آپ اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ مذہب شناس تھے۔“

5. آپکے استاد اور ساتھی امام دارمی رحمۃ اللہ کہتے ہیں:
”میں حرمین، حجاز اور عراق کے علماء سے ملا، مگر میں نے محمد بن اسماعیل سے بڑھ کر حدیث کے باب میں کامل ہستی کسی کی نہیں دیکھی۔“

6. آپ کے شاگرد امام مسلم رحمۃ اللہ نے ایک بار آپ سے کہا:
” اے استاذ المحدثین، حدیث کی تمام علل اور اصول کی پرکھ رکھنے والے! مجھے اپنے پاؤں کا بوسہ لینے دیجیے۔ مزید کہا کہ آپ سے ایک حاسد ہی بغض رکھ سکتا ہے۔ میں شاہد ہوں کہ اس دنیا میں آپ سا کوئی نہیں۔“

7. امام الأئمہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں:
”آسمان کی چھت تلے محمد بن اسماعیل بخاری سے بڑھ کے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی جانتا ہے نہ پہچانتا ہے۔ جبکہ آپ کی معرکہ آرا تصنیف صحیح بخاری شریف کے بارے میں ائمہ یوں رقمطراز ہیں:

1. حافظ عبدالغنی مقدسی اپنی کتاب ”الکمال“ میں لکھتے ہیں:
” امام بخاری عظیم المرتبت ہیں۔ ان کی کتاب صحیح بخاری پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ اہل اسلام کے مابین ان کی کتاب انتہائی قابل اعتماد ہے۔“

2. حافظ ابن صلاح، امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کے متعلق فرماتے ہیں:
”قرآنِ مجید کے بعد ان کی کتب صحت کے اعتبار سے دنیا کی تمام کتب سے بڑھ کر ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ کی کتاب امام مسلم رحمۃ اللہ کی کتاب سے زیادہ صحیح اور مفید ہے۔“

3. امام نووی رحمۃ اللہ کہتے ہیں:
” امت کے تمام علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری شریف اور پھر مسلم شریف ہے۔ اس بات کو ساری امت نے مکمل شرحِ صدر کے ساتھ تسلیم کیا ہے کہ ان میں امام بخاری کی کتاب زیادہ صحیح اور ظاہری و باطنی فوائد کے اعتبار سے زیادہ نافع ہے۔ جبکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ امام مسلم جہاں امام بخاری سے استفادہ کرتے تھے وہاں اس بات کے بھی معترف تھے کہ علم حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ کا کوئی ثانی نہیں۔“

4. حافظ ذہبی رحمۃ اللہ امام بخاری رحمۃ اللہ کے ترجمے میں لکھتے ہیں:
” صحیح بخاری اسلام کی تمام کتابوں سے زیادہ عظیم اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ افضل ہے۔“

5. حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:
”تمام اہل اسلام بخاری شریف کی قبولیت اور اس کی صحت پر کامل اتفاق رکھتے ہیں۔“

6. حافظ ابنِ ملقن رحمۃ اللہ اپنی شرح ”التوضیح“ کے مقدمے میں لکھتے ہیں:
”خلاصہ کلام یہ ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب قرآن پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح، مفید، عزیز اور عظیم ہے۔“

7. علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:
”علماء شرق و غرب اس بات پہ متفق ہیں کہ قرآن مجید کے بعد اگر کوئی اتھینٹک کتاب ہے تو وہ بخاری شریف اور مسلم شریف ہے۔“

8. حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب "حجة الله" میں بخاری شریف کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے کمال کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو آدمی صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کی بے قدری اور ان پہ تنقید کرتا ہے، وہ راہِ راست سے ہٹا ہوا گمراہ اور مبتدع ہے۔

☆☆☆

سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ
"مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ ؛ إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً"
لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کیا کرو، ورنہ ان میں سے بعض کے لیے یہ بات فتنہ بن جائے گی!

ابتدائیہ

اسلامی آداب واخلاقیات؛ حسن معاشرت کی بنیاد ہیں، ان کے نہ پائے جانے سے انسان نہ صرف لوگوں کے دِلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے میں ناکام رہتا ہے بلکہ دنیوی واُخروی کامیابیوں سے بھی یکسر محروم ہو جاتا ہے۔ گویا ان کے فقدان سے انسانی زندگی اپنا حسن کھو دیتی ہے۔ حسنِ اخلاق کی اہمیت اسی سے دوچند ہو جاتی ہے کہ ہمیں احادیثِ مبارکہ سے متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن میں عبادت وریاضت میں کمال رکھنے والوں کے اعمال کو صرف ان کی اخلاقی استواری نہ ہونے کی بنا پر رائیگاں قرار دے دیا گیا۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے ایک عورت کا ذِکر کیا کہ وہ صوم وصلوٰۃ کی تو بہت پابند ہے لیکن اس کی زبان درازی سے اس کے ہمسائے بہت تنگ ہیں، تو آپ ﷺ نے اس کی نمازوں اور روزوں کی پروا کیے بغیر فرمادیا کہ وہ جہنمی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے تو مسلمان ہونے کی علامت ہی یہ بیان فرمادی کہ حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ قصہ کوتاہ اخلاقیات اسلام کا ایک ایسا ستون ہے کہ جس کے بغیر دین کی عمارت کھڑی نہیں رہ سکتی۔

حسنِ اخلاق سے مراد صرف گفتگو اور رہن سہن سے متعلقہ امور کو بہتر بنانا ہی نہیں ہے بلکہ اسلامی تہذیب کے تمام تر پہلوؤں کو اپنانا اخلاق کی کامل ترین صورت ہے، کیونکہ سب سے بڑی اخلاقی گراوٹ غیر اسلامی رسوم ورواج اور مغربی تہذیب کا دِلدادہ ہونا ہے۔ آج کل مسلم معاشرے کی اخلاقی زبوں حالی کا جو عالم ہے وہ یقینا ناگفتہ بہ ہے۔ وہ معاشرہ کہ جو کبھی اخلاقیات کے حوالے سے ایک مثال ہوا کرتا تھا آج اس قدر انحطاط کا شکار ہے کہ الامان والحفیظ۔ اور وہ تہذیب کہ جو کبھی ہماری تھی ہی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے؛ اسے ہم نے نادانستہ بلکہ دانستہ طور پر قبول کر لیا ہے۔ اپنوں کا پاس ولحاظ اور عزت واحترام بھلے دور کی باتیں لگنے لگی ہیں، گفتگو میں شائستگی اور نرمی ناپید ہوگئی ہے اور اپنے والدین سمیت دیگر اکابر کی خدمت بجالانا تو درکنار؛ ان کے ساتھ اظہارِ تعلق میں بھی عار محسوس ہونے لگی ہے۔ غرض ہم نے ہر اس بری عادت کو اپنانے میں فخر محسوس کیا ہے کہ جو مادر پدر آزاد مغربی معاشرے سے ہمارے ہاں امپورٹ ہوئی ہیں۔ ایسے ہی نام نہاد مسلمانوں کی حالتِ زار پر اشک باری کرتے ہوئے اقبالؒ نے کہا تھا:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اس پستی اور ادبار سے خلاصی کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم جادۂ مغرب سے ہٹ کر قرآن وسنت کی بتلائی ہوئی راہ پر گامزن ہو جائیں اور غیر مہذب ہونے میں اپنا ثانی نہ رکھنے والی مغربی قوم کی نقالی اور تقلید سے اپنا دامن آلودہ کرنے کی بہ جائے ان درخشاں شرعی اصول وتعلیمات پر عمل پیرا ہوں جو انسان کے دِین ودنیا اور عزت وجان کی حفاظت کی ضامن ہیں۔ یہ امتیاز فقط اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے انسان کو سعادت مندانہ زندگی گزارنے کے لیے ایسے زرّیں اصول مہیا فرمائے ہیں کہ جنہیں اپنا کر نہ صرف دنیوی زندگی میں کامیابی کا سہرا اپنے سر سجایا جا سکتا ہے بلکہ آخرت میں سرخرو ہونے والوں میں بھی اپنا نام رقم کروایا جا سکتا ہے۔

اسی موضوع کی شدتِ اہمیت کے پیشِ نظر حضرتِ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر قلم اٹھایا اور اس کتاب میں آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ کا اس قدر ذخیرہ جمع کر دیا کہ جو اس موضوع پر تقریباً جملہ امور کو محیط ہے۔ امام صاحب کا حسنِ انتخاب ہی اس کتاب کی بڑی خوبی ہے۔ اگر کوئی خوش بخت صدقِ دِل اور نیتِ عمل سے اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو بلا شائبہ خیرِ کثیر پائے گا۔ وہ دنیا وآخرت کی کامیابیوں کو بھی اپنے حصے میں مرقوم کرالے گا اور اللہ، اس کے رسول اور لوگوں کی نظر میں محبوب بھی بن جائے گا۔ اور اگر قاریٔ کتاب اس بات کا اہتمام کر لے کہ اس کتاب کے مطالعے کے ساتھ ساتھ اپنے ضمیر کا بھی جائزہ لیتا رہے تو نہ صرف اس کی اخلاقی کوتاہیوں سے پردے ہٹ جائیں گے بلکہ اسے اپنی اصلاح کی توفیق اور تڑپ بھی بہ خوبی میسر آسکے گی۔

میں نے اس کتاب کی تیاری میں جو کام کیا ہے؛ وہ یہ ہے:

☆ اس کتاب کو متن کی ہی کتاب رکھنے کی بجائے عام مطالعاتی کتاب کی صورت دی ہے، تاکہ عام قاری بھی اس سے کامل طور پر حظ اٹھا سکے۔

☆ مکررات کو حذف کر دیا ہے تاکہ تکرار سے منزہ جامع نسخہ مرتب ہو سکے۔

☆ صرف صحیح اور حسن روایات پر مشتمل مجموعۂ احادیث پیش کرنے کی خواہش کے پیشِ نظر ضعیف روایات کو خارج کر دیا ہے۔

☆ چند طویل ابحاث کو ختم کرکے متعلقہ احادیث کی وضاحت میں ان کی طرف مختصراً اشارہ کردیا ہے، تاکہ کتاب طولِ ممل اور اختصارِ مخل سے مبرا رہے۔

☆ ابواب کی طویل عربی عبارات کو بعینہٖ اردو قالب میں ڈھالنے کی بہ جائے مختصر اور جامع سے عنوانات دے دیے ہیں۔

☆ احادیث کی اصل مصادر سے تخریج اور شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے استفادہ کیا ہے۔

میں رب تعالیٰ کے حضور تشکر وامتنان کے جذبات سے معمور ہوں کہ اس نے اس سراپا ناکار کو اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کے ارشادات وفرمودات کی ترجمانی اور وضاحت بیانی کی سعادت بخشی، یقیناً یہ فقط اسی کے فضلِ خاص سے ممکن ہو پایا ہے ورنہ میری تساہلی ہی اس میں سب سے بڑی رکاوٹ بن سکتی تھی۔

آخر میں ان تمام احباب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے کسی نہ کسی طور پر اس کتاب کی تیاری میں اپنا حصہ ڈالا۔ خاص طور پر میں ممنون ہوں گرامی قدر جناب فہد اللہ مراد صاحب کا، کہ انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوصف فقیر کی عرضی منظور کی اور حضرتِ امام اور ان کی کتاب کا تعارف اس خوبصورتی سے پیش کیا کہ بے شائبہ حق ادا کر دیا۔ بعد ازیں شکریے کے مستحق ہیں جناب ضیاء نعمانی صاحب، کہ انہوں نے کتاب کی باطنی خوبیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ظاہری حسن بھی اس قدر بھر دیا کہ چار چاند لگ گئے۔

بارگاہِ ایزدی میں التجا ہے کہ وہ اس کتاب کو ہر قاری کے لیے نفع مند بنائے اور اسے پڑھ کر اس کے دِل میں اپنی اخلاقی حالت سنوارنے اور اخروی زندگی کو کامیاب بنانے بنانے کا داعیہ پیدا کر دے۔ نیز ان تمام احباب کی کاوش کو اپنی جناب میں شرفِ قبولیت سے نوازے جو اس کتاب کی تیاری اور اسے منصہ شہود پر لانے میں میرے معاون رہے اور میری اس بے خلوص نیکی کو بھی ایسی عزت بخشے کہ اسے میری، میرے والدین اور اساتذہ کرام کی مغفرت کا ذریعہ بنا دے۔ آمین یارب العالمین

والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک

آداب واخلاقیات میں سب سے اوّلیں امر یہی ہے، اسی لیے اسلام نے اس کے اہتمام پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن وسنت میں بہ کثرت ایسی نصوص وارد ہوئی ہیں کہ جن سے اس معاملے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ اور حسنِ مصاحبت ہر باشعور مسلمان کا امتیازی وصف ہے۔ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کے حکم کے متصل بعد والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم فرمایا ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد جس امر کو دیگر تمام امور سے اہم سمجھا وہ یہی ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾

”اور تمہارا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے ”اُف“ تک نہ کہنا اور نہ ہی انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا، بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا۔“(سورۃ الاسراء:23)

سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: «الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا». قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «بِرُّ الْوَالِدَيْنِ». قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ». قَالَ: وَحَدَّثَنِي بِهَذِهِ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي.

(صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ لوقتها، رقم الحدیث:527؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ تعالی أفضل الأعمال، رقم الحدیث:85)

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”نماز کو بر وقت ادا کرنا۔“

میں نے پوچھا: پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”والدین کے ساتھ حسنِ سلوک۔“

میں نے کہا: پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔“

راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے یہی باتیں بتلائیں، البتہ اگر میں مزید پوچھتا تو آپ ﷺ اور بھی بتلاتے۔“

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں نبی ﷺ نے بھی پہلا افضل عمل باری تعالیٰ کی بندگی یعنی نماز ذکر فرمایا اور اس کے بعد دیگر تمام اعمال پر فضیلت کا حامل جو عمل بتلایا وہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔

گویا قرآن وسنّت کے طرزِ بیان سے ہی اس عمل کی فضیلت واہمیت اور اس کی بجا آوری کے تقاضے کی شدّت کا احساس ہوتا ہے۔

☆☆☆

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے تواضع و انکساری کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
”تواضع وانکساری اختیار کرنے والا وہ ہے جو حق بات پر جھک جائے اور حق بات کہنے والا خواہ کوئی بھی ہو، اسے فوری قبول کرے۔“(مدارج السالکین:2/243)

سوال: ایک جوڑے کے ہاں 17 سال کی شادی کے بعد بھی اولاد نہیں ہوئی۔ وہ اب ایک بچے کو گود لینا چاہتے ہیں تو کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟

جواب: یہ مسئلہ متبنی یا (Adoption) کے نام سے معروف ہے۔ اس میں تین باتوں کا سمجھنا ضروری ہے:

1۔ محرم یا نا محرم ہونے کا مسئلہ

اگر ایک شیر خوار بچے کو اپنایا جائے اور خاتون خانہ اسے دودھ پلانے پر قادر ہو اور وہ اسے پانچ مختلف اوقات میں اپنا دودھ پلا دے تو وہ اس کی رضاعی ماں کہلائے گی اور ایسے ہی اس کا شوہر اس کا رضاعی باپ کہلائے گا اور یوں چاہے وہ بچہ ہو یا بچی دونوں کا محرم ہو گا۔

اور اگر وہ خاتون خود اس کی رضاعت پر قادر نہ ہو اور اس کی بہن اسے دودھ پلا دے تو یہ خاتون اس کی خالہ متصور ہو گی اور اگر یہ بچہ لڑکا ہے تو پھر اس کی محرم متصور ہو گی۔

لیکن اگر 2 سال سے زیادہ عمر کے بچے کو اپنایا جائے تو پھر یہ مسئلہ حل نہ ہو سکے گا۔

اور اگر بچی بالغ ہو گئی تو مرد کے لیے اور اگر بچہ ہے تو خاتون کے لیے اجنبی متصور ہو گا یعنی حجاب لینے اور خلوت میں نہ بیٹھنے کی ضرورت ہو گی۔

2۔ بچے کے نام کا مسئلہ

یعنی کیا اس بچے کو گود لینے والا شخص ایک باپ کی حیثیت سے اپنا نام دے سکتا ہے؟

چونکہ قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بچے کو اس کے صلبی باپ ہی کے نام سے پکارا جائے اس لیے اسے اپنا نام بحیثیت باپ کے نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اگر کسی خاص وجہ کی بنا پر بچے کو اس کے اصلی باپ کا نام دینے سے کوئی مشکل لاحق ہوتی ہو تو کیا ایسی صورت نکالی جا سکتی ہے جس سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے؟

ہماری اپنی معلومات کے مطابق برطانوی قانون میں اس بات کی گنجائش ہے کہ بچہ چاہے کسی دوسرے شخص کی کفالت میں دے دیا جائے، اس کے باپ کا اصلی نام برقرار رکھا جا سکتا ہے، ایک دوسری صورت بھی اپنائی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ بچے کی ولادت کے سرٹیفکیٹ میں اس کے اصلی والد کا نام ہی لکھا جائے لیکن عام بول چال میں تین اسماء پر مشتمل اسے ایک نام دیا جائے یعنی بچے کا نام، پھر اس کے اصلی والد کا نام اور پھر گود لینے والے شخص کا خاندانی نام جیسے خالد سعید شیخ:

خالد بچے کا نام ہے، سعید اس کے اصلی والد کا نام ہے اور شیخ گود لینے والے شخص کا خاندانی نام ہے۔

روایت حدیث کے باب میں بعض ایسے نام ملتے ہیں جو والد کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف نسبت رکھتے ہیں جیسے المقداد بن الاسود، ان کے باپ کا نام عمرو بن ثعلبہ الکندی ہے لیکن الاسود بن عبد یغوث الزہری نے انہیں گود لے لیا تھا اور اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ اس لیے اسی کی طرف منسوب کیا گیا۔ (بحوالہ مقدمہ ابن الصلاح: من نسب الی غیر ابیہ)

3۔ وراثت کا مسئلہ

لے پالک بچہ اس شخص کا وارث نہیں ہو گا جس نے اسے گود لیا ہے۔ البتہ یہ شخص اس کے لیے اپنے مال کے ایک تہائی یا اس سے کم کی وصیت کر سکتا ہے اور وہ اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے غیر وارث کے لیے ایک تہائی مال تک بطور وصیت اجازت عطا کی ہے۔

اگر ان تین باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو بچے کو متبنی بنانا جائز ہو گا۔ اصل میں ہر اصطلاح کے الفاظ کو نہیں، معانی کو دیکھا جاتا ہے۔ متبنی یا (Adoption) اس صورت میں ناجائز ہے کہ آدمی ایسے بچے کو اپنی ولدیت عطا کرے لیکن اگر اس مشکل کو مندرجہ بالا طریقوں سے دور کر لیا جائے اور باقی 2 باتوں کا خیال رکھا جائے تو پھر بچے کو گود لینا جائز ہو گا۔

بچیوں کے ختنہ کے بارے رہنمائی

سوال: برطانیہ کے ایک قصبے کی مسجد کے امام سوال کرتے ہیں کہ بچی کے ختنے کے بارے میں رہنمائی فرمائیں کیونکہ افریقہ کے بعض ممالک سے آنے والے مہاجرین کے ہاں لڑکیوں کا ختنہ معروف ہے لیکن اس ملک میں اس عمل کے خلاف کافی زور شور سے مہم جاری ہے؟

جواب: بچیوں کے ختنہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو بات حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ عمل ان کے لیے باعث اکرام وعزت ہے، اسے وجوب یا سنت مؤکدہ کا درجہ نہیں دیا گیا، گویا اسے عرف کے درجہ میں رکھا گیا ہے جو کہ قابل قبول ہے، اگر واقعی یہ عمل وجوب یا سنت مؤکدہ کے درجہ میں ہوتا تو ہر جگہ مسلمانوں میں اسے پذیرائی حاصل ہوتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر کے مسلمانوں میں چاہے ان کا تعلق حنفی فقہ سے ہو یا اہل حدیث مکتب

فکر سے، کوئی اس بات کو سرے سے جانتا ہی نہیں۔

برطانیہ کے مسلمان بھی زیادہ تر انہی دو جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ عمل برطانیہ کے مسلمانوں کے عرف میں شامل ہے، اس لیے امام صاحب کو اس مسئلہ میں وہی رائے اختیار کرنی چاہیے جو یہاں کی عمومی فضا کو دیکھتے ہوئے مصلحت کا تقاضا ہو۔

ملاحظہ ہو کہ لڑکوں کے ختنہ کے بارے میں یہاں کوئی مہم نہیں چلائی گئی اور وہ اس لیے کہ یہود کے ہاں بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ہاں تو اس کی اہمیت سب پر واضح ہے۔

برطانوی قانون اور اسلامی قانون وراثت

سوال: کیا برطانوی قانون اسلامی قانون وراثت کو قابل عمل قرار دیتا ہے، اگر متوفی نے کوئی وصیت نہیں چھوڑی ہے، تو کیا وارثین اسلامی طریق وراثت کے مطابق ترکہ کو تقسیم کرنے کے پابند ہیں؟

جواب: برطانوی قانون میں وصیت کا بڑا عمل دخل ہے۔ اگر کوئی شخص تحریری وصیت چھوڑ جاتا ہے تو وہ قابل عمل متصور ہوتی ہے، لیکن اگر وصیت نہیں چھوڑتا تو اس کی وراثت بیوی، بچوں تک محدود ہو جاتی ہے اور بچوں کی عدم موجود موجودگی میں ماں باپ یا بھائی بہن کو بھی حقدار ٹھہراتی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ وراثتی ٹیکس کے نام سے متوفی کی دولت کا ایک بڑا حصہ ریاست کو دلواتی ہے جسے ایک خاص مالیتی اثاثہ جات کے بعد متعین کیا جاتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک ایسی تحریری وصیت چھوڑ کر جائے جس میں تمام وارثین کے نام اور شریعت کے مطابق ان کا حصہ لکھا جائے۔ اس کی یہ وصیت قانونی طور پر قابل عمل متصور ہو گی۔

لیکن اگر وصیت نہیں چھوڑتا ہے اور اس کی جائیداد بیوی کو یا بیٹے بیٹی کو منتقل ہو جاتی ہے تو پھر ان حضرات کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس جائیداد کو ان تمام وراثین میں تقسیم کریں جو شریعت کے اعتبار سے حصہ لینے کے مجاز ہوں اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو پھر وہ ایک گناہ کبیرہ کے مرتکب شمار ہوں گے۔

نکاح سے پہلے حاملہ عورت کے بچے کا حکم

سوال: ایک صاحب اپنے دوست کے بارے میں استفسار کرتے ہیں کہ انہوں نے نکاح سے قبل اپنی ہونے والی بیوی سے زنا کیا تھا لیکن نکاح کے بعد دونوں نے توبہ کی۔ عورت حاملہ ہو گئی لیکن دونوں اس بات کا تعین نہ کر سکے کہ آیا یہ حمل نکاح سے قبل ہوا تھا یا بعد میں۔ اس لیے انہوں نے حمل ظاہر ہونے کے ایک ماہ اندر اندر اسقاط کرا لیا تھا، اب وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آیا ان کا نکاح جائز تھا یا نہیں۔ یہ دونوں توبہ کرنے کے بعد اسلام کے احکامات پر عمل پیرا ہو چکے ہیں۔

جواب: بہتر تو یہی تھا کہ وہ زنا سے ہونے والے حمل کے ختم ہو جانے کے بعد نکاح کرتے لیکن چونکہ انہوں نے بالآخر نکاح کر ہی لیا تو یہ نکاح جائز تصور ہو گا کیونکہ اسی عورت سے نکاح کیا گیا ہے جس سے مرد نے زنا کیا تھا، البتہ بچے کا اسقاط کرنا ان کے لیے جائز نہیں تھا۔ عین ممکن ہے کہ حمل نکاح کے بعد ہوا ہو۔ اگر بالفرض نکاح سے قبل بھی حمل ہوا تھا تو بچے کو ماں کے نام سے پکارا جاتا اور ایک رائے کے مطابق بقاعدہ 'استلحاق' اسے مرد کی طرف بھی منسوب کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس کے نطفے سے پیدا ہوا ہے، البتہ وہ باپ کی وراثت کا پھر بھی مستحق نہ ہو گا، صرف ماں سے وراثت پائے گا۔

اگر بچے کا اسقاط حمل کے پہلے چار ماہ کے اندر اندر کرا لیا گیا تھا تو دونوں میاں بیوی کو اپنے گناہ کی معافی مانگنا چاہیے۔ وہ کثرت سے استغفار کریں لیکن اگر چار ماہ کے بعد (یعنی نفخ روح کے بعد) اسقاط کرایا گیا ہے تو پھر انہیں قتل خطا کا کفارہ بھی دینا ہو گا جو ایک مقتول کی دیت کا دسواں حصہ بنتا ہے جس کی مقدار آج کل کے حساب سے 213 گرام سونا بنتی ہے۔ علاوہ ازیں انہیں 60 دن کے روزے بھی رکھنا ہوں گے تاکہ ان کا کفارہ مکمل ہو سکے۔

ترکش ڈراموں کو دیکھنے کا حکم

سوال: امریکہ سے دو سوال موصول ہوئے ہیں۔ دونوں ترکش ڈراموں میں استعمال ہونے والی عبارتوں سے تعلق رکھتے ہیں:

ایک ڈرامے میں ترکش زبان میں کہا گیا ہے کہ ”نوح پیغمبر نہیں ہیں۔“

اور ایک دوسرے سیریز میں مسیح دجال دکھایا گیا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی

اور ایک انگریزی کہاوت کو بھی دہرایا گیا ہے جس میں نعوذ باللہ محمد ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ اگر پہاڑ تمہارے بلانے پر نہیں آتا ہے، تو تم پہاڑ کی طرف چلے جاؤ“ یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں:

کیا ایسے ڈراموں کو دیکھنا، ان میں کام کرنا، ناجائز ہے، کیا وہ ایکٹر جس نے یہ الفاظ کہے ہیں کفر کا مرتکب ہوا ہے؟

جواب: سیدنا نوح علیہ السلام بلاشبہ رسول ہیں، بلکہ اولو العزم رسولوں میں سر فہرست ہیں۔ قرآن میں ان کا جابجا تذکرہ آیا ہے اور ان کے پیغمبر ہونے کا انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے جو صریح کفر ہے۔

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ (سورۃ البقرۃ: 285) کا تقاضا ہے کہ ہم انبیاء کے درمیان تفریق روا نہ رکھیں کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کو ٹھکرا دیں۔ اب رہا ترکش ڈراموں میں ایسے ڈائیلاگ کا بولا جانا جن سے قرآن کا، اسلام کا یا نبی ﷺ کا بطور مذاق (استہزاء) ذکر کیا جائے تو سورۃ

التوبہ کی آیت 65 کے مطابق یہ بھی کفر کے زمرے میں آتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ 0 لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ﴾ (سورة التوبه: 65-66)

”اور اگر تم ان سے پوچھو گے تو وہ کہیں گے، ہم تو صرف گپ شپ کر رہے تھے اور کھیل اڑا رہے تھے۔ اب عُذر نہ تراشو! تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے اور اگر ہم ان میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو ایک (دوسرے) گروہ کو عذاب بھی دیں گے اور وہ اس لیے کہ وہ جرم کا ارتکاب کر چکے تھے۔“

اس آیت کی تفسیر میں چند واقعات سبب نزول کی حیثیت سے لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک آدمی نے ایک مجلس میں یہ الفاظ کہے:

میں نے ان قراء (قاریٔ قرآن) سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں دیکھا جو سب سے زیادہ پیٹو ہو، سب سے جھوٹا ہو اور جنگ کے دوران سب سے زیادہ بزدل ہو، تو مسجد میں حاضر ایک شخص نے کہا: تو خود جھوٹا ہے اور منافق بھی ہے، میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور بتاؤں گا۔

اور پھر یہ بات ان تک پہنچ گئی اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوے کی پیٹی سے لپٹ کر دوڑ رہا تھا اور پتھر آ آ کر اسے لگ رہے تھے اور وہ کہتا جاتا تھا:

﴿إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ﴾ ”اے اللہ کے رسول! اور پھر اللہ کے رسول یہ کہتے جاتے:

﴿أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ 0 لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾

(بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

اسلامی عقیدے کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے۔ ان کی جگہ کوئی اور شخص نہیں آئے گا۔

وہ ایکٹر جو اس ڈرامے میں کام کرتے ہیں، اگر وہ خود ان مزاقیہ محاوروں پر یقین رکھتے ہیں تو انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے اور اگر لاعلمی میں ایسا کہہ گئے ہیں تو انہیں توبہ واستغفار کرنا چاہیے، کسی بھی مسلمان کو ایسی کمپنی یا ایسے ادارے میں کام نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ایسے ڈرامے دیکھنے چاہئیں۔

☆☆☆

علامہ ابن ابی العز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَنَبِيُّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُوتِيَ فَوَاتِحَ الْكَلِمِ وَخَوَاتِمَهُ وَجَوَامِعَهُ، فَبُعِثَ بِالْعُلُومِ الْكُلِّيَّةِ وَالْعُلُومِ الأولية والأخروية عَلَى أَتَمِّ الْوُجُوهِ، وَلَكِنْ كُلَّمَا ابْتَدَعَ شَخْصٌ بِدْعَةً اتَّسَعُوا فِي جَوَابِهَا، فَلِذَلِكَ صَارَ كَلَامُ الْمُتَأَخِّرِينَ كَثِيرًا، قَلِيلَ الْبَرَكَةِ، بِخِلَافِ كَلَامِ الْمُتَقَدِّمِينَ، فَإِنَّهُ قَلِيلٌ، كَثِيرُ الْبَرَكَةِ، [لَا] كَمَا يَقُولُهُ ضُلَّالُ الْمُتَكَلِّمِينَ وَجَهَلَتُهُمْ: إِنَّ طَرِيقَةَ الْقَوْمِ أَسْلَمُ، وَإِنَّ طَرِيقَتَنَا أَحْكَمُ وَأَعْلَمُ! وَلَا كَمَا يَقُولُهُ مَنْ لَمْ يُقَدِّرْهُمْ مِنَ الْمُنْتَسِبِينَ إِلَى الْفِقْهِ: إِنَّهُمْ لَمْ يَتَفَرَّغُوا لاستنباط الفقه وَضَبْطِ قَوَاعِدِهِ وَأَحْكَامِهِ اشْتِغَالًا مِنْهُمْ بِغَيْرِهِ! وَالْمُتَأَخِّرُونَ تَفَرَّغُوا لِذَلِكَ، فَهُمْ أَفْقَهُ! فَكُلُّ هَؤُلَاءِ مَحْجُوبُونَ عَنْ مَعْرِفَةِ مَقَادِيرِ السَّلَفِ، وَعُمْقِ عُلُومِهِمْ، وَقِلَّةِ تَكَلُّفِهِمْ، وَكَمَالِ بَصَائِرِهِمْ. وَتَاللَّهِ مَا امْتَازَ عَنْهُمُ الْمُتَأَخِّرُونَ إِلَّا بِالتَّكَلُّفِ وَالِاشْتِغَالِ بِالْأَطْرَافِ الَّتِي كَانَتْ هِمَّةُ الْقَوْمِ مُرَاعَاةَ أُصُولِهَا، وَضَبْطَ قَوَاعِدِهَا، وَشَدَّ مَعَاقِدِهَا، وَهِمَمُهُمْ مشمَّرة إِلَى الْمَطَالِبِ الْعَالِيَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ، فَالْمُتَأَخِّرُونَ1 فِي شَأْنٍ، وَالْقَوْمُ فِي شَأْنٍ آخَرَ، وَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا.(شرح العقيدة الطحاوية: 76ص)

”ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع، کامل اور واضح کلمات عطا فرمائے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی اور کامل ترین شکل میں دنیاوی واخروی علوم دے کر مبعوث فرمایا گیا۔ متاخرین نے جب کسی شخص کو کسی بدعت کا مرتکب دیکھا تو اس بارے میں لمبے تڑنگے رُدُود شروع کر دیے، اس طرح متاخرین کی کلام مقدار میں بہت تھوڑی اور برکت میں بہت زیادہ تھی۔ گمراہ اور جاہل متکلمین کی یہ بات یکسر غلط ہے کہ سلف صالحین کا منہج زیادہ سلامتی والا ہے، جبکہ ان کا اپنا منہج زیادہ علم پر مبنی ٹھوس ہے۔ اسی طرح نام نہاد فقیہوں، جن کو سلف صالحین کی قدر معلوم نہیں ہو سکی، ان کی یہ بات بھی صحیح نہیں کہ سلف صالحین کو فقہی استنباطات کرنے اور فقہی قواعد واحکام کی تشکیل کرنے کی اتنی فرصت نہیں ملی جتنا وہ اور کاموں میں مشغول رہے جبکہ متاخرین نے ان کاموں کے لیے وقت نکالا، چنانچہ وہی زیادہ فقہ والے ہیں۔ ایسی باتیں کرنے والے تمام لوگ سلف صالحین کی صحیح قدر وقیمت، ان کے علوم کی گہرائی ان کے عدم تکلف اور ان کی کمال بصیرت سے لاعلم ہیں۔ اللہ کی قسم! متاخرین کو متقدمین سے اگر کسی چیز میں امتیاز حاصل ہے تو وہ تکلف کرنے اور ان چیزوں کی فروعات میں مشغول ہونے میں حاصل ہے کہ سلف کا اہتمام جن کے اصول میں مصروف ہونے ان کے قواعد کو مرتب کرنے اور ان کے ضوابط کو مقرر کرنے کا تھا، سلف صالحین ہر چیز کے بارے میں بلند مقاصد حاصل کرنے کے ارادے رکھتے تھے یوں متقدمین اور متاخرین کی مصروفیات جدا جدا ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“

جھوٹی مقدمہ سازی، اثرات وعلاج

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حسین بن عبد العزیز آل الشیخ
ترجمہ: محمد عاطف الیاس نظر ثانی: محمد اکمل بھٹی

پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اسی نے بندوں کے لیے پاکیزہ چیزوں کو جائز ٹھہرایا ہے، بری اور ہلاکت خیز چیزوں کو حرام کیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی زمین وآسمان کا پروردگار ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے، رسول اور ساری مخلوقات میں افضل ترین ہستی ہیں۔ اے اللہ! رحمتیں، سلامتی اور برکتیں نازل فرما آپ ﷺ پر، اہل بیت پر اور صحابہ کرام پر، جو سب ہی پرہیز گار اور عزت وشرف والے تھے۔

بعد ازاں! اے مسلمانو! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اسی سے خوشیاں ملتی ہیں اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں۔

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا 0 وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

”جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اُس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔“(سورۃ الطلاق:2-3)

اے مسلمانو! عدالتوں میں کچھ رجحان بڑی کثرت سے نظر آتے ہیں جو مسلمانوں کو کسی صورت بھی زیب نہیں دیتے، کسی مومن کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسے رجحانوں کا حصہ بنے، دعویٰ دائر کرنے کے حق سے ناجائز فائدہ اٹھائے، یا وکالت میں اپنی مہارت کو غلط استعمال کرے۔ ان رجحانوں میں سے ایک: جھوٹے دعووں کی کثرت ہے، جو بالکل بے بنیاد ہوتے ہیں، بلکہ جھوٹ اور باطل کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ﴾

”اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔“(سورۃ البقرۃ:188)

آپ ﷺ نے فرمایا: ”دوسروں کی چیز کا دعویٰ کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے، اور وہ آگ میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔“(صحیح مسلم)

قرآن وحدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور اہل علم بھی اس بات پر متفق ہیں کہ قاضی کے فیصلے کے بعد بھی کسی کے لیے دوسرے کی چیز لینا جائز نہیں ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ صرف ایسی چیز ہی لے سکتا ہے جس کا وہ حقیقی مالک یا مستحق ہو۔

اللہ کے بندو! عدالتوں میں ایک اور گھناؤنا رجحان بھی پایا جاتا ہے، یہ جھوٹی گواہیوں کا رجحان ہے، جس کا مقصد ناجائز طور پر اپنے بھائی کا حق مارنا ہے، بلند وبرتر اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، تو ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ قیامت کے روز نہ اُن سے بات کرے گا نہ اُن کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ اُن کے لیے تو سخت دردناک سزا ہے۔“(سورۃ آل عمران:77)

بہت سے بزرگوں نے اس سے مراد جھوٹی قسم لی ہے۔ جس کا مقصد کسی مسلمان کا حق کھانا ہو۔ ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص جان بوجھ کر کسی مسلمان کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم کھاتا ہے، وہ اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض ہو گا۔“(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

”قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ہتھیانے والے کے لیے اللہ جنت حرام کر دیتا ہے اور جہنم میں داخلہ لازمی ٹھہرا دیتا ہے۔“ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! چاہے وہ چیز چھوٹی موٹی ہی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”چاہے وہ پیلو کی ایک مسواک ہی کیوں نہ ہو۔“(صحیح مسلم)

فرمایا: ”قسم کھا کر“ یعنی: جھوٹی قسم کھا کر۔

اسلامی بھائیو! ایک اور رجحان بھی لوگوں کے دین اور دنیا کے لیے انتہائی خطرناک ہے، جو افراد کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور معاشروں کو بھی، یہ جھوٹی گواہی دینے میں تساہل کا رجحان ہے۔ کچھ لوگ دنیاوی فوائد کمانے کے لیے گواہیاں دیتے ہیں، اور کچھ تعاون کے طور پر اپنے کسی رشتہ دار یا دوست کو فائدہ پہنچانے کے لیے گواہی دے دیتے ہیں، وہ اپنے

تئیں یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں ہوتا، حالانکہ یہ سب کام بہت بڑے گناہ، اور سنگین خطائیں ہیں۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾

"جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔" (سورۃ الحج:30)

رسول اللہ ﷺ سے بڑے گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی شخص کو قتل کرنا، اور جھوٹی گواہی دینا۔" (صحیح بخاری؛ صحیح مسلم)

اس زمرے میں وہ گواہیاں بھی آجاتی ہیں جو ناانصافی سے کام لیتے ہوئے کسی کے حق میں دی جائیں، تاکہ وہ ملکی قانون کے مطابق حکومتی املاک کا کچھ حصہ قابو میں کر لے، جیسے زمین وغیرہ یا مال کی کوئی اور شکل۔

اے مسلمانو! عدالتوں میں ایک اور رجحان بھی نظر آتا ہے، جس سے مسلمان کو بچنا چاہیے، وہ یہ ہے کہ مثلاً آپ اپنے کسی مقروض کو جانتے ہیں، آپ اس کی مجبوری سے بھی واقف ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ وہ کچھ وجوہات کی بنیاد پر ادائیگی نہیں کر سکتا، پھر بھی آپ موقع کا فائدہ اٹھائیں، عدالتوں کے ذریعے اس سے ادائیگی کا مطالبہ کریں اور اسے رسوا کریں۔ ایسی صورتحال میں آپ کا فرض تو یہ بنتا ہے کہ آپ اللہ کے اس ارشاد پر عمل کریں:

﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

"تمہارا قرض دار تنگ دست ہو، تو ہاتھ کھلنے تک اُسے مہلت دو، اور جو صدقہ کر دو، تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔" (سورۃ البقرۃ:280)

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے اس فرمان کے بارے میں فرماتے ہیں: آیت میں ہے:

﴿وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

"اور جو صدقہ کر دو، تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔" (سورۃ البقرۃ:280)

فرماتے ہیں:

"اس میں اجر زیادہ ہے، مگر جو صدقہ نہیں کرے گا، وہ گناہ گار نہیں ہے، ہاں! اگر کوئی کسی مجبور کو جیل میں بھجواتا ہے تو وہ گناہ گار ہے۔" بہت سے بزرگوں نے یہی موقف اپنایا ہے۔

لہٰذا! اگر آپ نے کسی کو قرض دیا ہے اور آپ اس کی مجبوری سے واقف ہیں، جانتے ہیں کہ وہ ادائیگی نہیں کر سکتا، تو اسی ہدایت پر عمل کرو، خیر کثیر بھی حاصل کرو گے اور اجر عظیم بھی پاؤ گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور جب کسی مجبور کو دیکھتا تو اپنے بندوں سے کہتا: اس سے درگزر کرو، تاکہ اللہ ہم سے بھی درگزر کرے۔ پھر اللہ نے بھی اس سے درگزر کیا" (اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے)۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

"جسے یہ پسند ہو کہ روز قیامت کی مصیبت سے اللہ اسے بچا لے، تو وہ تنگ دستوں کی مشکلیں آسان کرے یا انہیں معاف کر دے۔" (صحیح مسلم)

ایک حدیث ہے، جس کی تائید شریعت کے اصولوں سے بھی ہوتی اور بعض اہل علم نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔ جو (سنن امام احمد، اور سنن ابن ماجہ) میں آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو کسی تنگ دست کو وقت ادائیگی کے بعد مہلت دیتا ہے، اسے ہر دن کے بدلے دگنی رقم کے برابر صدقے کا اجر ملتا ہے۔" یہ بہت بڑا اجر ہے، اللہ تعالیٰ بہت دینے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

اے مسلمانو! اسی طرح مسلمانوں کے لیے ایک اور کام بھی حرام ہے، بلکہ بڑے گناہوں میں سے ہے، یعنی ادائیگی سے بے وجہ ٹال مٹول کر کے قرض دینے والے کو عدالت کا رخ کرنے پر مجبور کرنا۔ ادائیگی کا وقت آنے کے بعد صاحب حیثیت کے لیے مزید تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مال دار کی ٹال مٹول ظلم ہے۔" (صحیح بخاری)

اے مسلمانو! کچھ مسلمان بہنوں میں بھی ایک برائی عام ہو رہی ہے، وہ عدالت میں آکر خواہ مخواہ خلع کا مطالبہ کرنے لگتی ہیں، حالانکہ کوئی ایسی معتبر وجہ بھی نہیں ہوتی جس کا علاج علیحدگی کے بغیر ممکن نہ ہو۔ وہ صرف شادی کے بندھن سے آزاد ہونا چاہتی ہیں۔ صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو بیوی اپنے شوہر سے بغیر کسی وجہ کے طلاق مانگے، اس کے لیے جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔" ایسی صورتحال میں بیوی کے اس مطالبے کو ابن حجر ہیثمی نے بڑا گناہ شمار کیا ہے۔

اللہ کے بندو! ایک بدترین رجحان اور انتہائی برا رویہ یہ بھی ہے کہ الگ ہونے والے جوڑوں میں سے بعض لوگ اپنے ساتھی کو حقوق کا مطالبہ کرنے کے لیے عدالتوں کا رخ کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کام نہ تو شریعت کی رو سے درست ہے، نہ اخلاق کی رو سے اور نہ ہی انسانی طبع ان کی اجازت دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَن تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ﴾

"اور تم (یعنی مرد) نرمی سے کام لو، تو یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔" (سورۃ البقرۃ:237)

بلند و برتر الٰہ کا فرمان ہے:

﴿لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ﴾

"نہ تو ماں کو اِس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے، اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔" (سورۃ البقرۃ:233)

ایک قابل اعتماد فقہی قاعدہ یہ بھی ہے کہ شریعت کی رو سے کسی جائز حق کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے دوسروں کو ستایا نہ جائے۔ مطلقہ کے شرعی حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول درست نہیں ہے۔ جیسے حق مہر کے بقایا جات، یا خلوت کے بغیر علیحدگی کی صورت میں عائد ہونے والا حق مہر کا حصہ، یا رجعی طلاق کی صورت میں شوہر کے گھر میں رہنے کا حق، اس کے اخراجات کی ادائیگی، اسی طرح تیسری طلاق کے بعد بھی حاملہ عورت کا وضع حمل تک کے خرچے کے ادائیگی۔ یہ حقوق تو شریعت کے طے شدہ ہیں، ان سے چھوٹ کے راستوں کی تلاش میں نہیں رہنا چاہیے۔ بیوی کو حقوق کا مطالبہ کرنے کے لیے عدالت کا رخ کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے بہت سی برائیاں سامنے آتی ہیں۔ یہ حقوق بھی شریعت میں مقرر ہیں اور شریعت کا علم رکھنے والا ہر شخص انہیں جانتا ہے۔

اے مسلمانو! ایک رجحان یہ بھی ہے کہ بیوی کو اپنے جائز اور شرعی حقوق کا مطالبہ کرنے کے لیے عدالت کا رخ کرنے پر مجبور کرنا بھی ہے۔ جیسے بعد از طلاق اولاد ماں کے زیر کفالت ہونے کی صورت میں ان کا خرچہ۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"انسان کا اتنا گناہ ہی بہت ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو بے سہارا چھوڑ دے۔" (اسے امام نووی نے صحیح کہا ہے) اس لیے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنے ذمے آنے والے تمام حقوق ٹھیک طرح ادا کرے۔ خوش دلی اور رضامندی کے ساتھ ایسے طریقے سے ادا کرے کہ کو جھگڑا یا لڑائی بھی نہ ہو اور کسی کو حقوق کے مطالبے کے لیے عدالت کا رخ کرنے کی ضرورت بھی نہ رہے۔ مسلمان تو ان حقوق کی ادائیگی اللہ کا حق سمجھتے ہوئے کرتا ہے، اس کے لیے اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا پڑتی، بلکہ وہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے انہیں ادا کرتا ہے۔ ان کی ادائیگی بھی ایک عبادت سمجھتا ہے۔ بلند وبرتر اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ﴾

"یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا۔" (سورۃ الطلاق:1)

میں اپنی بات اسی پر ختم کرتا ہوں۔ میں اللہ سے اپنے لیے اور آپ کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی میرے لیے، اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے معافی مانگو۔ یقینًا! وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

تعریف بس اللہ ہی کے لیے ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! رحمتیں، سلامتی اور برکتیں نازل فرما آپ ﷺ پر، اہل بیت پر اور صحابہ کرام پر۔ اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔

اللہ کے بندو! جو عدالتوں کو جانتا ہے اور ان میں اولاد کی نگہداشت اور ان سے ملاقات کے حوالے سے آنے والے مقدمے دیکھتا ہے، اسے بعض لوگوں کے رویوں پر سخت افسوس ہوتا ہے، جو دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے کے لیے اولاد کو استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ فرض یہ ہے کہ وہ حدود اللہ کی پاسداری کریں اور اولاد کی مصلحت کو مدنظر رکھیں، ان کے لیے پر سکون جگہ فراہم کرنے کی اور محفوظ جگہ دینے کی کوشش کریں۔ ماں اور باپ، دونوں کو مل کر اولاد کے دلوں میں پیار، سکون اور اطمینان ڈالنے کی کوشش کریں۔ اور یہ چیز صرف تب ہی ممکن ہو سکتی ہے جب ذاتی مفادات کو نظر انداز کر دیا جائے، اور بچوں کے مفادات کو مقدم رکھا جائے، تاکہ انہیں نفسیاتی اور معاشرتی امن کا احساس ہو اور وہ بہترین پرورش پا سکیں۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾

"آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔" (سورۃ البقرۃ:237)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو کسی ماں سے اس کا بیٹا جدا کرتا ہے، اللہ اسے اپنے پیاروں سے جدا کر دے گا۔"

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک عظیم کام کا حکم دیا ہے۔ جس سے آپ کے نفس کو پاکیزگی ملتی ہے، اور احوال بہتر ہوتے ہیں۔ یہ کام نبی اکرم ﷺ پر کثرت سے درود وسلام بھیجنا ہے۔ اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر اے اللہ! تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا۔ تابعین عظام سے بھی راضی ہو جا۔ اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔

﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ٥ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ٥ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الصافات:180-181)

"پاک ہے تیرا رب، عزت کا مالک، اُن تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔ اور سلام ہے مرسلین پر۔" اور ہماری ہر بات کا خاتمہ اسی پر ہے کہ ساری تعریف اللہ ربّ العالمین ہی کے لیے ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبر:18

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.

(رواه البخاري، كتاب الوضوء، باب السواك، برقم 245، واللفظ له، وكتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، برقم 889، ومسلم، كتاب الطهارة، باب السواك، برقم 47-(255)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا حذیفہ بن یمان ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نیند سے بیدار ہوتے اور اٹھتے تو اپنے منہ میں مسواک ملتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مفرداتُ الحدیث:

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1۔ إِذَا قَامَ: جب اٹھتے، بیدار ہوتے۔

2۔ يَشُوصُ: رگڑتے، ملتے۔

3۔ فَاهُ: اپنا منہ۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل واحکام

حدیث مبارکہ کے الفاظ إِذَا قَامَ میں نماز تہجد کی طرف اشارہ نیند سے بیداری کے عربی میں استیقظ کے الفاظ ہیں یعنی نیند سے بیدار ہونے کے بعد اٹھ جانے کی صورت میں مسواک کا استعمال کرنا سنت ہے اس کے کثیر فوائد ہیں رات سونے سے منہ میں بدبو اور چکناہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور نیند انسان کو سست کر دیتی ہے ایسی صورت حال میں مسواک سے منہ کی بدبو ختم ہوتی، مسوڑے مضبوط ہوتے ہیں، منہ کی چکنائی وغیرہ ختم ہوتی ہے، دانت سفید اور مضبوط ہوتے ہیں، جسم میں چستی پیدا ہوتی ہے جس سے عبادت میں مزید توجہ اور خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ بظاہر معمولی سا عمل اللہ کو بہت پسند ہے اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کثرت سے مسواک کرتے۔ اس میں باطنی طہارت کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی صاف وستھرا رہنے کی فضیلت ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ جو زیادہ عبادت گذار ہے اس کو اتنا ہی زیادہ طہارت وپاکیزگی کا اہتمام کرنا چاہیے اور عبادت پوری توجہ و دلجمی اور چست حالت میں کرنے کی فضیلت ہے اور اس کے لیے مسواک کے عمل کا بہت بڑا کردار ہے۔

حدیث نمبر:19

عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَأَنَا مُسْنِدَتُهُ إِلَى صَدْرِي، وَمَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سِوَاكٌ رَطْبٌ يَسْتَنُّ بِهِ، فَأَبَدَّهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَصَرَهُ، فَأَخَذْتُ السِّوَاكَ فَقَضَمْتُهُ فَطَيَّبْتُهُ، ثُمَّ دَفَعْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَاسْتَنَّ بِهِ، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اسْتَنَّ اسْتِنَاناً أَحْسَنَ مِنْهُ، فَمَا عَدَا أَنْ فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، رَفَعَ يَدَهُ - أَوْ إِصْبَعَهُ - ثُمَّ قَالَ:

«فِي الرَّفِيقِ الأَعْلَى» ثَلاثاً، ثُمَّ قُضِيَ عَلَيْهِ، وَكَانَتْ تَقُولُ: مَاتَ بَيْنَ حَاقِنَتِي وَذَاقِنَتِي.

وَفِي لَفْظٍ: فَرَأَيْتُهُ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ السِّوَاكَ، فَقُلْتُ: آخُذُهُ لَكَ؟ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ أَنْ نَعَمْ.

هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ، وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهُ.

(رواه البخاري، كتاب الجمعة، باب من تسوك بسواك غيره، برقم 890، وفي المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، برقم 4438، واللفظ له. رواه البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، برقم 4449)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

ام المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ بیان فرماتی ہیں کہ سیدنا عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق ؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ میرے سینے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور سیدنا عبد الرحمن ؓ کے پاس تازہ مسواک تھی جو وہ اپنے دانتوں پر مل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی نظران کی طرف اٹھائی میں نے مسواک پکڑی اسے چبایا صاف کیا پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کی آپ ﷺ نے مسواک کی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے بہتر انداز میں مسواک کرتے ہوئے نہیں دیکھا رسول کریم ﷺ مسواک سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپ نے اپنا ہاتھ یا انگلی اوپر اٹھائی اور تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا: (فِي الرَّفِيقِ الأَعْلَى) پھر آپ کی روح جسم مبارک سے نکل گئی۔ سیدہ عائشہ ؓ فرمایا کرتی تھیں: "آپ ﷺ نے میری گود اور ٹھوڑی کے درمیان وفات پائی۔" ایک روایت میں ہے کہ میں

نے دیکھا کہ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں اور میں نے پہچان لیا کہ آپ مسواک پسند کرتے ہیں میں نے عرض کی کیا میں آپ کے لئے یہ لے لوں؟ تو آپ نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں: یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور صحیح مسلم کی روایت بھی اس کی ہم معنی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1- دَخَلَ عَبْدُالرَّحْمَن: سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔

2- صَدْرِيْ: میرا سینہ۔

3- أَنَا مُسْنِدَتُهُ: میں آپ کی ٹیک بنی ہوئی تھی۔

4- سِوَاكٌ رَطْبٌ: تازہ مسواک۔

5- قَضَمْتُهُ: میں نے اسے چبایا۔

6- طَيَّبْتُهُ: میں نے اسے پاک صاف کیا۔

7- دَفَعْتُهُ: میں نے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی۔

8- اِسْتَنَّ بِهِ: میں نے اپنے دانتوں پر ملا۔

9- اسْتَنَّ اسْتِنَاناً: اس نے مسواک کی۔

10- اِصْبُعُ: انگلی۔

11- قُضِيَ عَلَيْهِ: موت کے فیصلے کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موت کے فیصلے کا وقت مقرر آ پہنچا۔

12- بَيْنَ حَاقِنَتِي وَذَاقِنَتِي: میرے سینے اور ٹھوڑی کے درمیان۔

13- يُحِبُّ السِّوَاكَ: آپ مسواک کو پسند کرتے ہیں۔

14- أَنْ نَعَمْ: کہ ہاں۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1. بیمار آدمی کی عیادت کرنا۔ جیسا کہ سیدنا عبدالرحمن بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما آئے۔
2. بیمار آدمی کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی بھر پور کوشش کرنا جیسے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مشکل وقت میں اپنے سینے سے لگایا تھا۔
3. بیمار آدمی کی خواہش کو پورا کرنا جیسے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مسواک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔
4. بیمار آدمی کی دیکھ بھال میں کوتاہی نہ کرنا۔
5. نیک لوگ بھی بیمار ہوتے ہیں جیسا کہ سب سے نیک شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں کئی بار بیمار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی بیماری کی حالت میں آئی۔ اور اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بیماری اور شفا اللہ کی طرف سے ہے مخلوق میں کوئی کسی کو نہ بیمار کر سکتا ہے اور نہ شفا دے سکتا ہے بیماری کی تکلیف کی صورت میں صبر کرنا اور اللہ سے ہی شفا مانگنا توحید ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔
6. بیماری میں صحت یابی کے لیے ظاہری اسباب اپنانا توحید و توکل کے منافی نہیں ہے بشرطیکہ کہ اسباب پر ہی توکل نہ کیا جائے۔
7. اللہ کے فیصلے کے سامنے تمام مخلوق محتاج وبے بس ہے جیسا کہ مخلوق میں سب سے اعلیٰ و افضل کی موت کا مقررہ وقت آیا تو پھر وہ ٹلا نہیں۔
8. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر و انسان ہونے کی دلیل کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انسانوں پر موت آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کا ذائقہ چکھا۔
9. اللہ کے خوبصورت ناموں میں سے الرفیق دوست کا ہونا۔
10. اللہ تعالیٰ کا تمام مخلوق سے جدا اور سب سے بلند ہونا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الرفیق الاعلیٰ فرمایا۔
11. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی انگلی یا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی ذات اوپر سب سے اعلی ہے۔
12. تازہ مسواک کی فضیلت اور اسکے فوائد کا زیادہ ہونا البتہ خشک مسواک بھی کی جاسکتی ہے۔
13. دانتوں پر ملنے کے لیے مسواک کو تیار کرنا اور جو خود نہ کر سکتا ہو اس کو کر کے دینا۔
14. کسی مصلحت و ضرورت کے تحت کسی دوسرے کی مسواک استعمال کرنا جائز ہے۔
15. اشارہ گفتگو کے قائم مقام ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک سر سے اثبات یعنی ہاں کا اشارہ فرمایا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس پر عمل درآمد کر دیا۔
16. جب بھی نیک عمل کا موقع ملے اسے کرنا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی مسواک کو پسند کیا۔
17. مشکل ترین حالات میں بھی صبر کے دامن کو نہ چھوڑنا ایمان ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی وفات کے وقت موت کی تکالیف پر صبر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آپ کے گھر والوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کمال صبر کا مظاہرہ کیا۔
18. دنیاوی زندگی کسی کو ہمیشہ کی حاصل نہیں ہے ہر ایک نے وقت مقررہ پر فوت ہونا ہے۔
19. موت اور زندگی اللہ کی طرف سے لکھی ہوئی ہے جس کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا ہے۔
20. موت کے وقت اللہ سے اچھی امید رکھنا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری لمحات میں اللہ کے لیے الرفیق مہربان دوست کا لفظ استعمال کیا۔
21. موت کے بعد ہر ایک کو مقام و مرتبہ کے لحاظ سے برزخی زندگی حاصل ہے۔
22. آخری لمحات میں اپنے پیارے کی خدمت کرنا باعث فخر و امتیاز ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں فوت ہوئے۔

☆☆☆

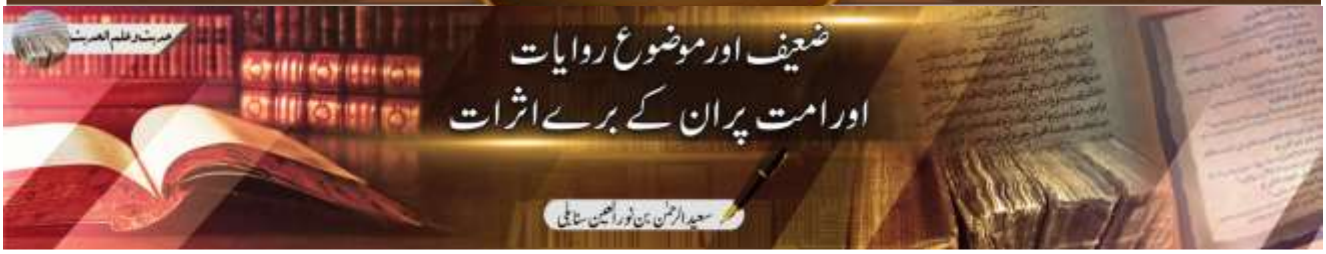

دین اسلام مذہب الٰہی ہے۔ اس کی بنیادیں دو اصول پر قائم ہیں۔ ایک قرآن کریم اور دوسرا سنت نبویہ۔ سنت نبویہ بھی اسی طرح سے قابل حجت ہے، جس طرح سے قرآن کریم حجت ہے، لیکن ہر زمانے میں یہ دونوں چیزیں دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائیوں اور دشنام طرازیوں کے نشانے پر رہی ہیں۔ خاص طور پر سنت کے ساتھ روز بروز فتنے وجود پذیر ہوئے۔ کبھی اس سنت کو ناقابل قبول قرار دیا گیا، کبھی اس سنت میں ایسی چیزوں کو سنت کا نام دے کر داخل کرنے کی کوشش کی گئی، جو سنت کا حصہ نہیں ہیں۔ چنانچہ مختلف ادوار میں حدیثوں کو غیر معتبر قرار دینے کی دشمنان اسلام کی کوششیں جاری رہیں، جس کی وجہ سے ان حدیثوں میں ایسی رطب ویابس بھی داخل ہوگئیں جو دشمنان اسلام کی پروردہ تھیں۔ ستم یہ ہے کہ اسلامی ماحول اور معاشرے میں لوگوں نے اس سازش کو نہ سمجھا۔ عام وخاص نے حدیثوں کے مابین امتیاز کرنا ترک کردیا، جس کی وجہ سے امت کئی طرح کی برائیوں اور پریشانیوں کا شکار ہوگئی۔ زیرِ نظر مضمون میں انہی مفاسد اور مضرات پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔

موضوع حدیث

موضوع اس روایت کو کہتے ہیں جسے گھڑ کر رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کردی گئی ہو۔ اس حدیث کی روایت کسی بھی انسان کے لئے جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی محض اس لئے روایت کررہا ہو کہ امت کے افراد اس کو پہچان جائیں اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہوجائیں۔ اسی طرح سے ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا، نہ تو عقائد میں اور نہ ہی احکام میں۔ اس تعلق سے علمائے امت کا اتفاق ہے۔

جہاں تک فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث کی حجیت کا مسئلہ ہے تو یہ مختلف فیہ ہے۔ ویسے اس تعلق سے راجح بات یہی ہے کہ ایسی حدیثوں پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ بعض علمائے کرام کہتے ہیں کہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کے باب میں ضعیف حدیث مندرجہ ذیل شروط کی بنیاد پر قابل عمل ہوسکتی ہے:

(1) اس حدیث میں پایا جانے والا ضعف شدید اور سخت نہ ہو۔

(2) وہ حدیث کی معمول بہ (جس پر عمل ہو) حدیث کے تحت آتی ہو۔

(3) اس پر عمل کرتے وقت انسان اس کے ثابت ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو بلکہ وہ صرف اور صرف احتیاط کی بنیاد پر عمل کررہا ہو۔

(4) انسان اسے بصیغۂ تمریض (مجہول) روایت کرے۔ جسے روی (روایت کی گئی ہے) نقل (نقل کی گئی ہے) اور قیل (کہی گئی ہے) وغیرہ

اس تعلق سے بات یہی ہے کہ مطلقاً ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔ یہی یحییٰ بن معین، ابو بکر بن عربی، امام بخاری، امام مسلم، ابن حزم اور امام البانی رحمہم اللہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظ ہو: تحقیق القول بالعمل بالحدیث الضعیف للدکتور عبد الکریم بن عبد الرحمن العثیم)

موضوع حدیث کی پہچان

موضوع حدیث کو درج ذیل وجوہات کی بناء پر جانا جاتا ہے:

(1) واضع (گھڑنے والا) از خود اعتراف کرلے، جیسے میسرۃ بن عبدربہ۔ اس نے کہا تھا کہ میں لوگوں میں دین کے تئیں بیداری پیدا کرنے کے لئے حدیثوں کو گھڑا کرتا ہوں۔

(2) رکاکتِ الفاظ، معنی کی خرابی، واضح تصنع یا کتاب وسنت اور عقل سلیم کے صریح مخالف ہونے کی وجہ سے بھی پائی جاتی ہے۔ وغیرہ

حدیث گھڑنے کے اسباب

(1) لوگوں کے دین کو بگاڑنے کے لئے دشمنان اسلام سے اسی چور دروازے کا سہارا لیا ہے۔ جیسے کریم بن ابو عوجاء، جب اس کے سر کو قلم کیے جانے کا فیصلہ صادر کیا گیا تو اس موقعے پر اس نے کہا: تمہارے دین میں، میں نے 4 ہزار ایسی حدیثیں گھڑی ہیں، جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا ہے۔

حماد بن زید نے کہا ہے کہ زنادقہ (بددینوں) نے دین اسلام کے بارے میں 14 ہزار جھوٹی حدیثیں گھڑی ہیں۔

(2) باطل افکار وخیالات کے حاملین، جن کے پاس اپنے موقف کے اثبات کے لئے کتاب وسنت کی کوئی دلیل نہیں ہوا کرتی تھی تو وہ لوگ اپنے موقف کے موافق جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کردیا کرتے تھے اور ان جھوٹی حدیثوں سے اپنا الو سیدھا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن زید مقری بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعتی تائب ہوا اور جب وہ راہِ راست کا پابند ہوگیا تو اعلانیہ

طور پر کہنے لگا کہ اس حدیث کو جس آدمی سے اخذ کرتے ہو، اس کی حالت کو دیکھ لیا کرو۔ کیونکہ ہم اپنی رائے کو ثابت کرنے کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔

مامون بن احمد ہروی سے کہا گیا: کیا آپ امام شافعی اور خراسان میں ان کے پیروکاروں کی حالت کو نہیں دیکھتے ؟ اس نے کہا: ہم سے احمد بن عبد اللہ نے، ان سے عبد اللہ بن معدان نے اور انہوں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میری امت میں ایک شخص ہو گا، جس کا نام محمد بن ادریس ہو گا، وہ میری امت کے لئے ابلیس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہو گا اور میری امت میں ایک انسان ایسا بھی ہو گا، جس کا نام ابو حنیفہ ہو گا، وہ میری امت کے لئے چراغ کے مثل ہو گا۔ (لسان المیزان:7/5)

اسی طرح سے محمد بن عکاشہ کرمانی نے کیا۔ اس شخص کو بتایا گیا کہ کچھ لوگ رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں؟ تو اس نے کہا: ہم سے واضح بن مسیب نے، ان سے۔۔۔ بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے بیان کیا گیا۔۔۔ جو کوئی رکوع میں اپنے ہاتھوں کو اٹھائے گا، اس کی نماز نہیں ہو گی۔ واضح بات ہے کہ یہ امر سنت کے خلاف ہے کیونکہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ رکوع کے وقت رفع الیدین سنت ہے۔

(3) قصہ گو حضرات اپنے قصے اور کہانیوں میں مال اور روزی روٹی کمانے کی غرض سے حدیثوں کو گھڑا کرتے تھے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ گردہ مسجد میں گئے۔ نماز کے بعد ایک جوان کھڑا ہوا اور کہا: ہم سے ابو خلیفہ نے، ان سے ابو الولید نے، وہ شعبہ سے، وہ قتادہ سے اور وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔۔۔ اس کے بعد اس شخص نے ایک حدیث بیان کی۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب وہ شخص اپنے وعظ سے فارغ ہوا تو میں نے اس سے پوچھا: ابو حنیفہ کو تو نے دیکھا ہے کیا؟ اس نے کہا نہیں۔ میں نے پوچھا: پھر ان کے حوالے سے حدیث کیسے بیان کر رہا ہے؟ اس نے کہا: ہم سے بحث کرنا بھی قلتِ مروت کا شاخسانہ ہے۔ مجھے سند یاد ہے۔ میں جب بھی کوئی حدیث سنتا ہوں، اس کی سند ملا لیتا ہوں۔ اس واقعے کو احمد شاکر نے 'البعث الحثیث' النوع (21) میں ذکر کیا ہے۔

4۔ بعض علمائے سوء نے بھی اپنے مفاد کی حصولیابی، بادشاہوں کی قربت کے حصول اور سیاسی مقاصد کی بازیابی کے لئے اسی طریقے کو اختیار کیا کہ انہوں نے جھوٹی حدیثوں کو گھڑا اور غلط فتوؤں کا سہارا لیا۔ جیسا کہ ایک بار غیاث بن ابراہیم کوفی عباسی خلیفہ مہدی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت خلیفہ جو کبوتروں کا حد درجہ شوقین تھا، ایک کبوتر سے کھیل رہا تھا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر غیاث نے کہا: ہم سے فلاں نے اور اس نے فلاں سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« لَا سَبَقَ إِلَّا فِيْ نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ أَوْ جُنَاحٍ»

"اس نے خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حدیث میں کلمۂ 'جناح' کا اضافہ کر دیا۔"

(5) بعض صوفی اور زاہدوں نے بھی لوگوں کے اندر بد عملی دیکھ کر حدیثوں کو گھڑنے کی رسم بد ایجاد کی۔ چنانچہ انہوں نے نیک جذبے سے سرشار ہو کر اس غلط کام کی انجام دہی کی، جس کی وجہ سے تاریخ نے اپنے دامن میں انہیں جھوٹوں اور حدیث گھڑنے والوں کے زمروں میں شمار کیا ہے۔ دراصل یہ اس جماعت کی فکری کج روی تھی ورنہ شریعت اسلامیہ رسول گرامی ﷺ پر مکمل ہو گئی تھی اور اس میں بدعملوں کو عامل بالدین بنانے، گنہگاروں میں احساس ندامت پیدا کرنے اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے سلسلے میں بھرپور ہدایات موجود ہیں۔ لہٰذا اس دین میں اس طرح کی حماقتوں کو انجام دے کر لوگوں کے دلوں میں دین کی بیداری پیدا کرنا، گویا اس بات کا پتہ دینا ہے، کہ نعوذ باللہ دین الٰہی ناقص ہے اور اس کا کوئی خاص گوشہ تشنہ ہے۔ ایسے لوگوں کی فہرست میں "نوح الجامع" کا نام سرفہرست ہے۔ جس نے قرآن کی ہر ہر سورت کی فضیلت میں حدیثیں گھڑیں۔

(6) ایسا بھی ہوا کہ کوئی شخص کسی خاص پیشے والوں سے کسی وجہ سے نفرت اور بغض رکھا کرتا۔ چنانچہ وہ اسی نفرت اور بغض سے سرشار ہو کر اس خاص پیشے والوں کی مذمت اور اس پیشے کی قباحت میں حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ سیف بن عمر تمیمی نے بیان کیا کہ ایک دن میں سعد بن طریف کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں معلم کے پاس سے اس کا بیٹا روتا ہوا آیا۔ سعد نے پوچھا کہ بیٹے! کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ تم نے مجھے مارا ہے۔ سعد نے کہا: آج میں اس کو رسوا کروں گا۔ مجھ سے عکرمہ نے اور ان سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعا بیان کیا ہے کہ تمہارے بچوں کے معلم سب سے برے لوگ ہیں۔ ان میں یتیموں کے تئیں سب سے کم محبت ہوتی ہے اور یہ مسکینوں پر سب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

اسی طرح سے کوئی شخص پولیس والوں سے نفرت کیا کرتا تھا تو اس نے یہ حدیث گھڑی کہ میں جنت میں داخل ہوا تو اس میں ایک لومڑی دکھائی دی۔ میں نے کہا: جنت میں لومڑی؟ اس نے کہا: میں نے ایک پولیس والے کے بچے کو کھایا تھا، اس وجہ سے میں جنت کی مستحق ٹھہری ہوں۔

(7) مصلحت کی حصولیابی

☆ کسی اندھے نے یہ حدیث گھڑی ہے کہ جو کوئی انسان 40 قدم کسی اندھے کی راہنمائی کر دے گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

ایک شخص نے یہ حدیث گھڑی: "جب عورت اپنے شوہر کے کپڑوں کو دھوئے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں 2 ہزار نیکی لکھے گا۔"

☆ کسی میوہ فروش نے حدیث گھڑی: "کھانے سے پہلے میوے کھایا کرو۔"

☆ کوئی شخص بلیوں کو بیچتا تھا تو اس نے یہ حدیث گھڑی کہ بلیوں سے محبت کرنا کمال ایمان کی دلیل ہے۔

☆ ایک گلاب بیچنے والے شخص نے یہ حدیث گڑھی کہ جس کسی نے سرخ گلاب سونگھا اور اس نے درود نہیں بھیجا تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

جو کوئی شخص میری خوشبو سونگھنا چاہتا ہو، اسے سرخ گلاب سونگھنا چاہئے۔

☆ کسی فقیر نے یہ حدیث گھڑی کہ بھوک کافر ہے اور اس کو قتل کرنے والا انسان جنتی ہے۔

سخاوی نے کہا ہے کہ یہ۔۔۔ حدیث ہے۔

☆ کسی خباز (نان بائی) نے یہ حدیث گھڑی کہ روٹی کی عزت کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت بخشی ہے۔

(8) شہرت کا حصول

ہر زمانے اور ہر دور میں لوگ سستی شہرت کے حصول کے لئے مضحکہ خیز کام انجام دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح سے پہلے زمانے میں بھی بعض افراد سستی شہرت کے حصول کے لئے اس طرح کے اعمال کی انجام دہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ عموماً کوئی نص لیتے تھے اور اس کے لئے کوئی نص گھڑ دیا کرتے تھے اور لوگوں کو یہ باور کراتے تھے کہ انہیں اس حدیث میں ایک خاص خصوصیت حاصل ہے کہ ان تک یہ حدیث کم واسطوں سے پہنچی ہے۔ اب چونکہ شروع سے ہی ایسی حدیثیں لوگوں کی توجہ کا مرکز رہی ہیں، جس کی سند عالی ہو، یعنی جھوٹی سند ہو، لہذا وہ شخص اس ذریعے سے شہرت حاصل کرتا۔

موضوع حدیث کی مثالیں:

1۔ عزوبت کی مدح وذم پر مشتمل احادیث:

جیسے حدیث: شادی شدہ انسان کی دو رکعتیں غیر شادی شدہ انسان کی 70 رکعت نمازوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ (الفوائد المجموعہ، ح (6) ص (133)، اسی طرح سے وہ حدیث جس میں ہے کہ تم میں سب سے پہلے لوگ وہ ہیں، جو شادی شدہ نہ ہوں۔

2۔ کسی چیز کی تشہیر پر مشتمل احادیث:

جیسے: تربوز کا پانی (رحمت) اور اس کی مٹھاس جنت کی مٹھاس کی طرح ہے۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: تربوزے کی فضیلت میں وارد کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے، البتہ اس تعلق سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھایا ہے۔ (الفوائد المجموعہ: ص179)

☆ جنتیوں کے کھانے کا سردار گوشت ہے۔

☆ گائے کی عزت کیا کرو کیونکہ یہ جانوروں کی سردار ہے۔

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے آپ سے کم بچوں کی شکایت کی تو آپ نے اسے انڈا اور پیاز کھانے کی ہدایت کی۔

☆ شہد کھایا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ جس گھر میں شہد ہوتا ہے، اس گھر کے لوگوں کے لئے فرشتے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

☆ پگڑی پہن کر نماز پڑھنا، 10 ہزار نیکیوں کا ذریعہ ہے۔

☆ انگوٹھی پہن کر پڑھی جانے والی ایک نماز، بغیر انگوٹھی کی 70 نمازوں سے بہتر ہے۔

3۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتوں پر مشتمل احادیث:

☆ سیدنا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے جہنم کی آگ کو اس ریڑھ کی ہڈی پر حرام قرار دے دیا ہے، جس نے آپ کو گرایا ہے۔ اس پیٹ پر بھی جہنم کی آگ کو حرام قرار دیا ہے۔ جس نے بطور حمل آپ کو اٹھایا اور اس گود پر بھی جہنم کی آگ کو حرام قرار دیا ہے، جس نے آپ کی کفالت فرمائی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی سے مراد آپ کے والدِ گرامی عبد اللہ ہیں۔ پیٹ سے مقصود آپ کی والدہ آمنہ ہیں اور گود سے عبد المطلب مراد ہیں۔

☆ میں اپنی ماں کے قبر کے پاس گیا اور اللہ تعالیٰ سے ان کے زندہ کئے جانے کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلی حالت پر لوٹا دیا۔

☆ اسی طرح سے وہ حدیث، جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اگر آپ نہ ہوتے تو مخلوقات کو پیدا نہ کرتا۔"

4۔ مہینوں اور دنوں کی فضیلتوں میں وارد احادیث

☆ ماہ رجب کے دنوں کے روزے، راتوں کے نفل، اس مہینے میں بکثرت صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب اور عمرہ کرنے کی فضیلت کے تعلق سے وارد احادیث، جیسے حدیث: جو کوئی شخص ماہ رجب کے تین دن روزے رکھے گا تو اس کے حق میں پورے مہینے روزہ رکھنے کا ثواب لکھا جائے گا۔ (الفوائد المجموعہ: 1126)

☆ اسی طرح سے حدیث: "جو کوئی حسین رضی اللہ عنہ کے یعنی عاشورہ کے دن روتا ہے تو وہ قیامت کے دن اولوا

العزم من الرسل کے ہمراہ ہوگا۔"(الفوائد المجموعہ: 457)

امت پر ضعیف اور موضوع روایتوں کے برے اثرات

ضعیف حدیثوں کے مسلم معاشرے میں پھیل جانے کی وجہ سے امت پر مختلف مفاسد اور مضرات مرتب ہوئے ہیں:

(1) معاشرے میں ضعیف اور موضوع حدیثوں کے پھیلنے کی وجہ سے لوگوں کے مابین صحیح اور ثابت شدہ حدیثوں پر عمل کا جذبہ کم ہوگیا ہے۔ لوگوں نے موضوع حدیثوں کو ہی دلچسپی کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے اور اسی کو اپنی کوششوں کا محور بنار کھا ہے۔ کیونکہ عموماً ایسی حدیثیں عجیب و غریب معانی و مطالب پر مشتمل ہوا کرتی ہیں، نیز اس طرح کی حدیثوں میں سہولت اور نرمی کا گوشہ زیادہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے انسان ایسی حدیثوں کو بہت جلدی اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ انسان ثابت شدہ صحیح حدیثوں کے مخالف ضعیف حدیثوں پر عمل کرنے لگتا ہے اور اس طرح سے کئی برائیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ جیسے حدیث: کھانے کے وقت سلام نہیں ہے۔

(۲) ضعیف اور موضوع حدیث کے پھیلنے کی ایک اہم خرابی یہ ہے کہ انسان ان کی وجہ سے شرک جیسی گھناؤنی اور خطرناک برائی کا شکار ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ ایک موضوع حدیث میں آتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی انسان پتھر سے اعتقاد رکھے تو پتھر بھی اس کے حق میں سود مند ثابت ہوگا۔ گویا اس موضوع حدیث میں پتھر کی پرستش کی تعلیم دی گئی ہے۔

(3) لوگوں کو اس طرح کی حدیثیں مشروع وسیلے سے پھیر کر غیر مشروع اور حرام وسیلوں کا شکار بنادیتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث: میرے جاہ و جلال کے ذریعے وسیلہ طلب کیا کرو۔ کیونکہ ان کی نظر میں میرا جاہ وجلال عظیم المرتبت ہے۔

(4) ان حدیثوں کے پھیلاؤ کی وجہ سے لوگوں میں بدعملی اور دین بیزاری عام ہوتی ہے۔ لوگ صلوات اور دیگر عبادات سے جو برگشتہ ہورہے ہیں، ان میں ان حدیثوں کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ جیسا کہ ایک موضوع حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص کی نماز اسے برائیوں اور بے حیائیوں سے نہ روکتی ہو تو اسے نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(5) ان حدیثوں کے پھیلاؤ کی وجہ سے اہم عقیدے کی چیزوں کا انکار ہوتا ہے اور انسانی عقیدے میں بگاڑ اسی چور دروازے سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک موضوع حدیث میں آتا ہے کہ سیدنا عیسی علیہ السلام ہی مہدی ہیں۔ جبکہ نزول مہدی کے بارے میں وارد حدیثیں تواتر کے درجے کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اسی طرح سے ایک دوسری موضوع حدیث میں آتا ہے کہ جو کوئی شخص مہندی لگا کر مرجاتا ہے تو جس وقت وہ قبر میں داخل ہوگا، منکر نکیر اس سے سوال وجواب نہیں کریں گے۔(الفوائد المجموعہ: ص213)

(6) مسلمانوں کے بیچ بدعتوں کے پھیلاؤ میں ان ضعیف اور موضوع روایتوں کا کافی حد تک عمل دخل ہے۔

برسبیل مثال

☆ مردوں کی قبروں پر قرآن خوانی ایک وبا کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ یہ رسم بد ضعیف اور موضوع حدیثوں سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ ایک موضوع حدیث میں آتا ہے کہ جو کوئی انسان جمعہ کے دن اپنے والدین کی قبروں کی زیارت کرتا ہے اور قبر کے پاس سورۃ یٰس کی تلاوت کرتا ہے تو ہر آیت اور حرف کے بدلے اس کی بخشش کردی جاتی ہے۔

☆ ایک بدعت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے وضو کرنے کو باعث برکت تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایک انسان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ دن کے 24 گھنٹے باوضو رہے، البتہ کھانے سے پہلے اس عمل کو بابرکت قرار دینے کی بات موضوع حدیثوں سے ثابت ہے۔ چنانچہ ایک موضوع حدیث میں آتا ہے کہ کھانے سے پہلے وضو کرنے سے فقیری اور غربت ختم ہوتی ہے۔

☆ اسی طرح سے وہ مشہور حدیث، جو نہایت ہی خطرناک بدعت کی موجب بنی کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے میرے اوپر ظلم کیا۔ اسی حدیث کی وجہ سے بہت سارے افراد روضۂ نبی ﷺ کی زیارت کے لئے شدّ رحال کو باعث خیر تصور کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

☆ نیز مختلف اوقات میں مختلف عبادتوں کی انجام دہی کی جو بدعت رواج پا گئی ہے، کہ فلاں وقت میں اتنی رکعتوں کی انجام دہی اور ان رکعتوں میں فلاں فلاں سورتوں کا پڑھنا وغیرہ، یہ سبھی بدعتیں انہیں ضعیف اور موضوع روایات کی مرہون منت ہیں۔

(7) ایمان میں ایسی چیزوں کو داخل کردیا جاتا ہے، جو ایمان کا حصہ نہیں ہیں: جیسے حدیث: وطن سے محبت کرنا ایمان کا حصہ ہے۔

(8) ان حدیثوں کی وجہ سے جزاء وسزا اور حساب وکتاب کے ایسے اصول مرتب کر لئے جاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے دلیل نازل نہیں فرمائی ہے۔ بطور مثال:

اللہ تعالیٰ گورے چہرے والوں کو سزا نہیں دیتا ہے۔ یا وہ حدیث، جس میں ہے کہ جس کسی کا نام محمد ہو یا احمد ہو، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جہنم کی آگ میں داخل نہیں کرے گا۔

(9) شریعت مخالف اصول اور قواعد کی ترویج

جیسا کہ مشہور ضعیف حدیث میں ہے کہ میری امت کا اختلاف باعث رحمت ہے۔ حدیث ان صحیح حدیثوں

کے مخالف ہے، جن میں اختلاف کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حد درجہ فاسد قول ہے۔کیونکہ اگر اختلاف کو ہم باعث رحمت قرار دیتے ہیں تو گویا اتفاق باعث زحمت ہو گا۔ (الاحکام:5/64)

(10)اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کی حرمت:

جیسے اونٹ کے گوشت کے سلسلے میں وارد احادیث۔ اسی طرح سے وہ حدیث، جس میں آتا ہے کہ شادی کیا کرو اور طلاق دینے سے گریز کیا کرو۔کیونکہ طلاق دینے کی وجہ سے رحمٰن کا عرش ہل جاتا ہے۔(الفوئد المجموعہ:ص155)

(11) نیز ضعیف اور موضوع احادیث کے اثراتِ بد میں سے یہ بھی ہیں:

☆ان سے باطل اعتقادات اور غلط نظریات و افکار کو فروغ ملتا ہے۔

☆ صحابہ کرام اور ائمہ عظام کی غلط صورت ہماری نگاہوں میں گھر کر جاتی ہے۔جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ۔

(12)اخلاقی بگاڑنا

ضعیف اور موضوع روایات کے نقصانات کا دائرہ صرف اور صرف انسان کے دین و ایمان تک ہی محدود نہیں ہے۔بلکہ یہ چیزیں انسانی عادات و اطوار اور اخلاق و کردار کو بگاڑنے میں بھی اہم رول ادا کیا کرتی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک موضوع حدیث میں آتا ہے کہ جس نے عشق کیا اور اس کو چھپائے رکھا اور اسی حالت میں مر گیا تو وہ شہید ہو گا۔

(13)محدثین کی شان میں گستاخی

ضعیف اور موضوع روایات کو آپ پڑھیں تو آپ حیرت کریں گے کہ حدیث لڑنے والوں نے محدثین کو خصوصی طور پر مشق ستم بنایا ہے۔بسا اوقات اس مقصد سے حدیثیں گھڑی گئیں کہ اس سے ذخیرۂ حدیث کو مشکوک قرار دیا جائے۔ جیسا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ایک پیدا کرنا چاہا تو پہلے ایک گھوڑے کو پیدا کیا اور اس کو دوڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ گھوڑا دوڑا۔اس کے دوڑنے کی وجہ سے جو پسینہ آیا، اسی سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو پیدا کیا۔

یہ حدیث سراسر باطل اور کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ اگر کوئی شخص اس حدیث کو پڑھے گا اور وہ حدیثوں میں کی گئی دشمنان اسلام کی خرد برد سے واقف نہیں ہو گا تو یقینی طور پر اس کے دل میں حدیثوں کے تعلق سے شک وشبہ پیدا ہو گا۔

(14)سنت نبوی ﷺ میں تحریف

ضعیف اور موضوع حدیثوں کی ایک خاص برائی یہ ہے کہ وہ سنت نبوی میں تحریف اور تغییر کی موجب بنتی ہیں۔ یعنی ان حدیثوں کی وجہ سے انسان ثواب سمجھ کر شریعت کے نام پر شریف مخالف اعمال کی انجام دہی کرنے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک غیر ثابت حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی داڑھی لمبائی اور چوڑائی سے ادا کرتے تھے۔اس کے برعکس صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امتوں کو داڑھی بڑھانے اور اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دینے کی تعلیم دی ہے۔ نیز آپ ﷺ کی داڑھی کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کافی حد تک لمبی تھی اور نہایت ہی خوبصورت اور دلکش بھی تھی۔اب دیکھئے ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی داڑھی سے کاٹا کرتے تھے اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے داڑھی کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔اس طرح سے حدیثوں میں شک وشبہ پیدا ہوتا ہے اور حقیقی معنوں یہ اور اس طرح کی حدیثوں کو بنیاد بنا کر بعض دانشوروں نے حدیثوں کو مشکوک قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ دشمنان اسلام کی ایک گھناؤنی سازش تھی کہ انہوں نے حدیثوں کو گھڑ کر حدیثوں میں تعارض دکھایا اور پھر انہوں نے حدیثوں کو مشکوک قرار دیا۔

ضعیف اور موضوع روایات اور ہماری ذمہ داریاں

جب حالت اس قدر نازک ہو چلی ہے کہ ان حدیثوں کی وجہ سے افرادِ امت مختلف برائیوں کے شکار ہوتے چلے جارہے ہیں، ایسی صورت میں ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ موضوع اور ناقابل اعتبار حدیثوں پر کسی بھی صورت میں عمل کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔ نہ ہی ان حدیثوں کے ثبوت کا اعتقاد رکھنا درست ہے اور لوگوں کے سامنے ان کا بیان کرنا اسی صورت میں جائز اور درست ہے جبکہ انسان کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں کو ان کی حقیقت سے آگاہ کر دیں اور اس سے انہیں روکیں۔

☆ انسان جن حدیثوں کو خطبے اور دروس وغیرہ میں سنتا ہے، اس کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرے۔

☆ ایسی کتابوں کو پڑھنے سے گریز کرے، جن میں تحقیق اور تخریج کا اہتمام نہ کیا گیا ہو۔

☆ انسان علمائے کرام سے حدیثوں کی صحت اور ضعف کے بارے میں دریافت کرے۔

☆ انسان کو چاہئے کہ وہ صحیحین، سلسلة الأحاديث الصحيحة اور صحيح الجامع الصغير وغیرہ کو بکثرت پڑھا کرے۔

☆☆☆

اتباع کے بارے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

"سنت پر ڈٹ جاؤ، وہاں ٹھہر جاؤ جہاں قوم ٹھہر گئی، اور وہی کہو جو انھوں نے کہا، اور اس کے کہنے سے رک جاؤ جس سے وہ رکے، اور تمھیں وہ چیز کافی ہونی چاہیے جو ان کو کافی ہوئی۔"

11۔ یادرفتگاں: محمد لقمان سلفی

ہمارے اس باب میں حکایات کا تسلسل زمانی ملحوظ نہیں رکھا گیا، میرے دوست، جامعہ مدنیہ کے ساتھی، سرزمین ہند کے مایہ ناز سپوت محمد لقمان سلفی کے بارے میں ان کی قائم کردہ جامعۃ الامام ابن تیمیہ (بہار) کے طلبہ اور اساتذہ نے ان کی یاد میں ایک کانفرنس آن لائن کا اہتمام کیا۔ خیال رہے کہ 5 مارچ 2020ء کو ریاض میں ان کا انتقال ہوا۔ حرم مکی میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور پھر انہیں مکہ کے قبرستان المعلّی میں مدفون ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسی کانفرنس میں مجھے بھی دعوت خطاب دی گئی بلکہ اس 2 روزہ کانفرنس کے اختتامی اجلاس کی صدارت بھی سونپی گئی۔ میں نے جن خیالات کا اظہار کیا، وہ قلمبند کیے دیتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾ (سورۃ مریم)

”اور اللہ ان لوگوں کو جو ہدایات پا چکے ہیں اور زیادہ ہدایت عطا کرتا ہے اور باقی رہ جانے والے نیک اعمال تیرے رب کے نزدیک زیادہ بہتر ہیں ثواب کے لحاظ سے اور زیادہ بہتر ہیں انجام کے اعتبار سے۔“

میں منتظمین اور ابناء جامعۃ الامام ابن تیمیہ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے دعوت خطاب دی تاکہ میں اپنے عزیز بھائی، اپنے دوست اور اپنے ہمعصر برادرم محمد لقمان سلفی کے بارے میں اپنی یادوں میں آپ سب حضرات کو شریک کرسکوں۔

میں نے اپنی ان یادوں کو مندرجہ ذیل نقاط میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے:

1۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا قیام ایک بابرکت قیام تھا۔ دنیا کے کونے کونے سے آنے والے طلبہ کا آپس میں محبت والفت کی داستانیں رقم کرنے کا ایک سنہری موقع تھا اور اس حدیث کا مصداق کہ ارواح وہ ہتھیار بند لشکری ہیں جو ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں اور پھر باہم شیر وشکر ہو جاتے ہیں، کئی ساتھی بنے اور بنائے جن میں پٹنہ (بہار) کے محمد لقمان سلفی بھی تھے۔

میں پاکستانی طلبہ کے 18 رکنی وفد کے ساتھ جولائی 1962ء میں مدینہ منورہ پہنچ پایا تھا، جبکہ محمد لقمان ہندوستان کے 17 رکنی وفد کے ساتھ ہم سے چند ماہ قبل وہاں وارد ہوئے تھے۔

والد محترم مولانا عبد الغفار حسن 2 سال بعد بحیثیت مدرس تشریف لاچکے تھے، لقمان کے ساتھ نہ صرف میرا بلکہ میرے برادران خورد کا تعلق بھی استوار ہوتا گیا، انہیں انگریزی زبان کے حصول کا بھی بہت شوق تھا اور اس سلسلہ میں ہمارا تعلیم وتعلم کا باہمی تعلق بے پایاں بڑھتا گیا۔ میں ان سے درجہ عالیہ میں ایک سال آگے تھا، لیکن جامعہ کے 4 سال کا دورانیہ ساتھ ساتھ گزرا اور پھر کچھ عرصہ میرے مشرقی افریقہ جانے کی بنا پر رابطوں میں کمی آتی گئی لیکن پھر تجدید ملاقات کی سبیل پیدا ہوگئی اور وہ اس طرح کے دار الافتاء کی جانب سے ایام حج کے دوران دعوت وتبلیغ کے لیے ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جسے (التوعية الاسلامیہ فی الحج) کا نام دیا گیا۔ میں کئی سال اس ادارے کی طرف سے حج کے موقعہ پر وہاں مدعو کیا جاتا رہا۔

چونکہ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سربراہ تھے اس لیے ان کا سارا سارا مکتب دوران حج ریاض سے مکہ مکرمہ منتقل ہو جاتا اور ہمارے دوست لقمان شیخ کے سیکرٹری اور ترجمان کی حیثیت سے ان کے دفتر کے عملہ کے شب و روز وہیں گزارتے اور یوں یہ تعلق مزید نکھرتا گیا اور پھر نہ صرف مکہ مکرمہ بلکہ طائف جہاں وہ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ موسم گرما میں منتقل ہو جایا کرتے تھے، ہماری ملاقات کے دفتر کھلتے چلے جاتے، مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی سالانہ کانفرنس میں بھی میں نے انہیں مدعو کیا۔ انہوں نے انتہائی مسرت کے ساتھ میری اس دعوت کو قبولیت سے نوازا۔

2۔ انہوں نے جامعہ میں طلب علم کا حق ادا کر دیا، عربی زبان سے تو پہلے ہی شغف تھا، لیکن قابل اساتذہ کی صحبت نے ان کی فصاحت اور بلاغت کو چار چاند لگا دیے، یہ اتفاق ہے کہ طلب علم کے دوران میرا پہلا مضمون بیروت کے ایک ہفتہ وار جریدۃ ’الشہاب‘ میں شائع ہوا تھا اور ایسے ہی لقمان سلفی کا ایک مضمون بیروت ہی کے مجلہ ’الأدیب‘ میں شائع ہونے کی سعادت حاصل کرپایا۔

پاک وہند سے بے شمار طلبہ نے جامعہ تک رسائی ضرور حاصل کی لیکن ان میں چند ہی ایسے خوش نصیب ٹھہرے جو عربی زبان کی نزاکت اور لطافت کو اپنے قلم کی زینت بنا سکے۔

3۔ برادرم لقمان سلفی میں مسلک اہل حدیث کی محبت

کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، کتاب وسنت کی صاف ستھری دعوت کو عام کرنے میں وہ پیش پیش رہتے تھے۔ انہوں نے زبان وبیان سے لے کر قلم وقرطاس کو اس کام کے لیے وقف کر دیا تھا، ڈاکٹریٹ کے لیے جس موضوع کو چنا وہ بھی سنت کا دفاع تھا۔

ایک ملاقات کے دوران انہوں نے مجھے اپنے اس تحقیقی مقالہ کو مطبوع کتاب کی شکل میں ہدیہ بھی کیا تھا۔ عنوان: "اهتمام المحدثين بنقد الحديث سندا ومتنا" اس کتاب میں جہاں احادیث کو پرکھنے کے لیے روایت اور درایت پر مشتمل مساعی کا ذکر کیا گیا ہے وہاں مستشرقین کے اٹھائے گئے شکوک اور شبہات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

میں نے اس ضمن میں اپنے ایم اے میں پیش کردہ تحقیقی مقالے کا بھی ذکر کیا جو اس سے مشابہ عنوان رکھتا ہے اور جس میں خاص طور پر سنن ابن ماجہ کی ان احادیث پر بحث کی گئی ہے جن پر متاخرین محدثین (ابن جوزی وغیرہم) نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے اور پھر شاخت کے اس اعتراض کا رد کیا ہے کہ احادیث کی اسانید میں مرور زمانہ کے ساتھ پیوندکاری (Grafting) کا رجحان پایا گیا ہے اور اس ضمن میں میں نے بیوع میں سے بیع مزابنہ کی نہی پر مشتمل احادیث کی اسانید کو جمع کرنے کے بعد شاخت کی دلیل پر کلام کیا ہے۔

برادرم لقمان نے میرے اس مقالے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور مذکورہ نقاط کی تحسین فرمائی۔

4۔ برادرم لقمان کا ہندوستان سے کافی دور ہونے کے باوجود ہندوستان کے صوبہ بہار (جھارکھنڈ) میں جامعۃ الامام ابن تیمیہ کے نام سے ایک عظیم درسگاہ کی داغ بیل ڈالنا، اسے پروان چڑھانا، اس کے شایان شان عمارتیں کھڑی کرنا، ایک ایسا قابل ذکر کام ہے جو ان کے لیے ان شاء اللہ توشۂ آخرت رہے گا۔

یہ 1988ء کی بات ہے جب میں نے سب سے پہلے ان کی بان سے اس ادارے کے قیام کی بات سنی، بلکہ انہوں نے مجھ سے شیخ ابن باز رحمة الله عليه کے نام ایک تعارفی خط کی بھی فرمائش کی۔ میری ڈائری کے مطابق 27 جنوری 1988ء کو میں نے یہ خط تحریر کیا تھا، جس میں چندن بارہ بہار میں ایک درسگاہ کے قیام کے سلسلہ میں برادرم لقمان کی سرگرمیوں کو سراہا گیا ہے۔ لقمان نے اس مرکز کی تاسیس کے مختلف مراحل میں اپنے محسنوں کو یاد رکھا، چنانچہ قسم تحقیق کو شیخ ابن باز رحمة الله عليه کے نام سے اور لیکچر ہال کو شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمة الله عليه کے نام سے موسوم کیا۔ میں نے اس عظیم الشان مرکز کی تصاویر دیکھیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک فرد واحد نے وہ کام کر دکھایا ہے جو ایک پوری جماعت کے کرنے کا تھا۔

5۔ برادرم لقمان کی خودنوشت سوانح 'کاروان حیات' کا تذکرہ بھی ہو جائے، کتنے خوش نصیب وہ طلبہ ہوں گے جو اپنے اساتذہ اور اپنے رفقاء درس کو یاد رکھے ہوں گے۔ برادرم لقمان نے اپنے تمام اساتذہ کا نام بنام تذکرہ کیا ہے، ان کا بھی جن سے ہندوستان میں شرف تلمذ حاصل کیا اور ان کا بھی جو جامعہ مدنیہ اور المعہد العالی (الریاض) میں ان کے مربی اور مرشد رہے۔

اساتذہ میں انہوں نے میرے والد شیخ عبد الغفار حسن رحمانی کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اور ان سے قبل شیخ ابن باز، شیخ محمد امین شنقیطی، شیخ البانی اور حافظ محمد گوندلوی کا والہانہ تذکرہ بھی موجود ہے اور پھر وہ اپنے رفقا کا بھی جابجا تذکرہ کرتے ہیں، خاص طور پر ان کے ہم درس، ہم نوالہ وپیالہ حافظ احسان الٰہی ظہیر کا جن کا ان کے ساتھ خاص تعلق رہا اور مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے مجھ ناچیز کو بھی فراموش نہیں کیا۔

6۔ میں چونکہ اکثر مکہ، ریاض، طائف جاتا رہا، اس لیے بارہا ان کی ضیافت کے مزے لوٹتا رہا۔

سن 87، 88 میں مجھے لندن کے ایک ساتھی ڈاکٹر سید متولی الدرش (ازہری) کے ساتھ معانی قرآن کے انگریزی ترجمہ کی مراجعت اور تصحیح کے لیے کوئی تین ماہ ریاض میں قیام کرنا پڑا۔ اس دوران تقریباً روزانہ ہی دفتر میں ملاقات بھی رہی اور پھر ان کی دعوت پر ان کے مہمان خانے کی زیارت بھی جاری رہی۔ ایک دوسری زیارت میں ایک یا دو رات ان کے مہمان خانے میں قیام بھی کیا۔ دیکھا کہ مہمانوں کا آنا جانا جاری رہتا ہے اور کئی رفقاء کئی کئی دن وہاں قیام پذیر رہے ہیں اور ان کے دسترخوان کا مزا لیتے رہے ہیں۔

دفتر کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہیں لیکن ضرورتمند احباب ان کی توجہ کے منتظر سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کوئی سفارشی خط لکھوانا چاہتا ہے، کوئی شیخ سے ان کے توسط سے ملاقات کا خواہشمند ہے اور کوئی عارضی قیام میں ان کی مدد کا طالب ہے۔

7۔ ایک عالم کے لیے نیک اولاد بہت بڑا انعام ہے، عام طور پر علماء اپنی بے پناہ مصروفیات کی بنا پر اولاد پر زیادہ توجہ نہیں دے پاتے، اس لیے ان کے گزر جانے کے بعد ایک جہان ان کا ثناخواں رہتا ہے لیکن خود ان کی اپنی اولاد باپ کے نقش قدم کو نشان منزل سے بدل دینے سے قاصر رہتی ہے۔

برادرم لقمان سے مارچ 2010ء میں ایک ملاقات رہی جس میں انہوں نے یہ واقعہ ذکر کیا: شیخ ابن باز رحمة الله عليه کے فرزند ارجمند کلیۃ الشریعہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد تجارت کی طرف مائل ہو گئے اور اس کا سبب یہ بنا کہ وہ اپنے لڑکپن میں شاہ فہد کے صاحبزادے عبد العزیز سے بڑے بے تکلف ہو چکے تھے کہ جن کی والدہ آل شیخ میں ہونے کی بنا پر اپنے

بیٹے کو شیخ ابن باز رحمۃ اللہ کی صحبت میں اکثر بھیجا کرتی تھیں۔ عبد العزیز جب عملی زندگی میں داخل ہوئے تو احمد کو بھی اپنے ساتھ تجارت میں شامل کر لیا۔

برادرم لقمان نے احمد کو ناصحانہ مشورہ دیا کہ وہ شیخ کی وراثت علمی کو سنبھالیں اور اپنے باپ کے نام کو روشن کریں۔ احمد نے اس مخلصانہ مشورے کا شکریہ ادا کیا لیکن وہ بدستور اپنے کام میں جتے رہے۔ ایک دفعہ جامعہ مدینہ جانا ہوا تو وہاں کے اساتذہ اور طلبہ نے ان کے لیے استقبالیہ ترتیب دے ڈالا۔ ایک استاد نے شیخ کا دلدوز مرثیہ بھی پڑھ کر سنایا جس سے احمد کافی متاثر ہوئے اور شدت تاثر کی بنا پر زیادہ بات کرنے سے معذرت بھی چاہی۔ شیخ کے دوسرے بیٹوں میں خالد اور عبد الرحمٰن بھی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی شیخ کا جانشین بننے کا شرف حاصل نہ کر سکا۔

اور اب ہم شیخ محمد لقمان سلفی کے لائق وفائق صاحبزادے عزیزم ڈاکٹر عبد اللہ سلفی سے پوری امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے والد کے قائم کردہ مادر علمی کی پورے جوش اور جذبہ کے ساتھ سرپرستی فرماتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مراتب علم وعمل سے سرشار رکھے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

12۔ جمعیۃ القرآن کے لیے حصول مکان

سال 1979ء کے اختتام سے قبل یہ تحریک پیدا ہوئی کہ القرآن سوسائٹی کی تعلیمی ودعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے ایک مکان خرید لیا جائے۔ گرینجر روڈ کے چھوٹے سے مکان میں میری اہلیہ ام وہیب نے بچوں اور خواتین کے لیے اس گھر ہی میں شام کی ایک کلاس کا آغاز کر دیا تھا لیکن یہ جگہ اپنی تنگ دامنی کی شکایت کرتی نظر آئی۔ کافی تلاش کے بعد اس موجودہ رہائش گاہ سے قریب ہی ایک قدرے وسیع مکان کو مارکیٹ میں قابل فروخت پایا جس کا کمرہ استقبالیہ پندرہ بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتدریس اور جمعیت کے دفتری اور تنظیمی کاموں کے لیے انتہائی موزوں تھا لیکن 27 ہزار پاؤنڈ کی قیمت مکان ہماری قوت خرید سے بالکل خارج تھی، فنڈز کے حصول کے لیے تگ ودو جاری رہی۔ اپنے صدر دفتر دار الافتاء ریاض سے بھی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا، جہاں اب ہم ہمارے شیخ عبد العزیز بن باز مفتی مملکت سعودی عرب کی حیثیت سے تشریف لا چکے تھے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے اس مکان کی خرید ممکن ہو سکی اور وہ اس طرح کے دار الافتاء نے 15 ہزار اور ہمارے محسن عبد العزیز علی المطوع نے 12 ہزار پاؤنڈ کے عطیات سے نوازا۔

میری حیثیت ایک کرایہ دار کی رہی لیکن گراؤنڈ فلور کا وسیع کمرہ استقبالیہ ایک آفس کے سارے لوازمات سے آراستہ کر دیا گیا اور پھر یہ ہر شام ایک کلاس روم کی حیثیت اختیار کر لیتا جس میں ٹوٹہام، وُڈ گرین بلکہ قرب وجوار کے کئی علاقوں سے بچوں اور بچیوں کی آمد شروع ہوگئی اور پھر اگلے 18 سال (یعنی 1997ء تک) یہ گھر ایک مدرسے کی شکل اختیار کر گیا جہاں اُم وھیب کی انتھک محنت کے طفیل طلبہ وطالبات کی ایک بڑی تعداد نے قرآن ناظرہ کی تعلیم حاصل کی۔ جزء عمّ کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا، نماز سیکھنے اور باجماعت پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

ہمارے تیار کردہ قرآن وسنت کے کورس براہِ مراسلت کا مطالعہ بھی کروایا جاتا رہا اور پھر یہ کورس طباعت کے مراحل سے گزرتا ہوا ہمارے اس آفس کے توسط سے برطانیہ، چند مغربی افریقہ کے ممالک (جیسے گھانا اور نیجیریا) اور چند دیگر مغربی ممالک تک رسائی حاصل کر گیا، جہاں سے ہمیں اس کور کے حصول کے لیے خطوط آنا شروع ہوگئے۔

اس مکان سے کئی یادیں وابستہ ہیں۔

ایک وہ دن جس دن نو مسلمہ سمیہ کا نکاح ایک شامی نوجوان غسّان سے پڑھایا گیا، یہ نوجوان انگریز خاتون قرآن کے مطالعہ کے بعد دین اسلام میں داخل ہوئی۔ گھر والے اس بات کو برداشت نہ کر پائے اور اس کی زندگی کو اجیرن کر کرے رکھ دیا، ناچار وہ ادھر ادھر تنہائی کی زندگی بسر کرتی رہی۔ انہی ایام میں غسّان سے ملاقات ہوگئی اور وہ اس کی زلفوں کا اسیر ہوگیا۔

اور پھر اس مکان میں اس کے نکاح کی سادہ سی تقریب ہوئی لیکن اسی دن اتفاق سے ہمارے جرمن نو مسلم دوست برادر صدیق 25، 30 خواتین کا وفد لے کر ہمارے مہمان بن کر پہنچ گئے۔ جرمنی میں ان کا سنٹر دعوت وتبلیغ کا مرکز تھا، خود انہوں نے اسلام لانے کے بعد جامعہ مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کی۔ ملیشیاء کی ایک مسلم خاتون سے شادی کی اور پھر اس مرکز کے توسط سے جرمنی میں دعوت وتبلیغ کا آغاز کر دیا۔ وہ اکثر کبھی طلبہ کا اور کبھی طالبات کا وفد لے کر یورپ کے کسی دوسرے ملک میں اسلامی مراکز کی زیارت کے لیے چلے جاتے، سرفہرست مکہ اور مدینہ کی زیارت رہتی۔ اس بار وہ برطانیہ چلے آئے، ایک پوری بس ہمارے گھر کے سامنے پارک تھی، خواتین میں جرمن نو مسلمہ بھی تھیں اور کچھ ہندوپاک سے آ کر جرمنی میں آباد ایشیائی خواتین تھیں۔ اب یہ سادہ سی تقریب ایک یادگار محفل میں بدل گئی۔ سمیہ کی دلداری کے لیے اب صرف ہمارے گھر کی خواتین نہ تھیں بلکہ ایک بین الاقوامی مجمع کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔

سمیہ نے ان لمحات کو یاد کرتے ہوئے کہا تھا:

”میری زندگی میں 2 دن ایسے آئے جب میں تنہائی کا شکار تھی اور پھر مجھے سورۃ والضحیٰ کی اس آیت نے بے حد تسلی دی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ ہی سے مخاطب

ہے اور کہہ رہا ہے:

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾

”نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ تجھ سے بیزار ہوا ہے۔“

ایک تو وہ دن جب میں نے اسلام قبول کیا تھا اور مجھے گھر والوں نے بالکل تنہا چھوڑ دیا تھا اور دوسرا یہ دن جب میرا عقد نکاح ہوا اور اللہ نے میری تنہائی دور کرنے کے لیے غیب سے اتنے مہمان بھیج دیے۔“

سمیہ اور عثّان اپنی ازدواجی زندگی کے ایک مرحلہ پر برطانیہ کے جنوب میں آباد ہو گئے تھے، اللہ نے انہیں تین بیٹیوں سے بھی نوازا۔ میں اور میری اہلیہ ایک دفعہ ان سے ملاقات کے لیے ان کے گھر بھی پہنچے۔ عثّان سے خط وکتابت کے ذریعہ پیغام رسانی جاری رہی، پھر یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ سمیہ سے اس کی علیحدگی ہو چکی اور پھر ایک طویل عرصہ کے بعد اس کی وفات کی خبر آئی اور اس خاندان سے ہمارے مراسم کے باب پر ایک پردہ حائل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ سمیہ اور اس کی بیٹیوں کی دنیا اور دین کو سنوار رکھے، انہیں صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

القرآن سوسائٹی کے اس مکان میں کئی ملکی اور غیر ملکی مقتدر ہستیوں کا آنا ہوا جن میں سر فہرست ہیں:

امام کعبہ شیخ محمد بن السبیّل، شیخ عبد المحسن حمد العباد سابق رئیس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، مولانا وحید الدین خان (ہندوستان) ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کے برادر بزرگ اعجاز احمد اور برادر خورد ڈاکٹر ابصار احمد، حکیم عبد الرحیم اشرف، سید عبد العزیز علی المطوع وغیرہم، ان احباب کا تذکرہ پھر آتا رہے گا۔

☆☆☆

وفیات

قاری محمد عبد القدیر محمدی کا انتقال

جانے والے کبھی نہیں آتے

جانے والوں کی یاد آتی ہے!

جمعیت اہل حدیث حیدر آباد دکن کا ایک ستون گر پڑا، توحید وسنت کا ایک شیدائی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ مولانا محمد عبد الہادی العمری نے اپنے بچپن کے دوست کی نماز جنازہ پڑھائی اور لوگوں کا اژدہام۔ قاری محمد عبد القدیر محمدی امیر جمعیت اہل حدیث حلقہ فتح دروازہ حیدر آباد دکن مختصر علالت کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

انتقال سے ایک دن قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے قائد اور مجلس القضاء الاسلامی کے صدر مولانا محمد عبد الہادی العمری برطانیہ سے حیدر آباد دکن پہنچے اور اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے جگری دوست قاری محمد عبد القدیر محمدی ذمہ دار جامعہ سمیہ للبنات حیدر آباد سے ملاقات کی اور دوسرے دن وہ مالک حقیقی سے جا ملے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے دیرینہ کزن اور یار غار کے منتظر تھے۔ نماز جنازہ میں نمازیوں کا کثر اژدہام تھا اور سب نے یہ گواہی دی کہ مرحوم توحید وسنت کے شیدائی تھے اور اپنے والد مولوی محمد سرور محمدی اور تایا قاری محمد افضل محمدی کے تربیت یافتہ بچپن سے ساری زندگی مسجد کی خدمت وصیانت کو اپنا مقصد زندگی بنا لیا تھا اور اپنے کام کو تقویت پہنچانے کے لیے اپنے برادر خورد قاری محمد عبد الحق محمد سرور کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور دونوں نے مل کر اور اپنے بچوں کو ساتھ لے کر مسجد ومدرسہ کے انتظامات بے لوث کرتے رہے، بڑے بھائی کی جدائی سے قاری عبد الحق آج تنہا ہو چکے ہیں۔

اللہ پاک انہیں صبر عطا فرمائے۔ آمین

مرحوم نے 65 سال کی عمر پائی، پسماندگان میں چھ لڑکے اور دو لڑکیاں اور بیوہ سوگوار ہیں۔ بڑے بیٹے مولانا حافظ عبد البصیر عمری ہیں، نماز جنازہ میں سرپرست خاندان حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن ندوی، مولانا عبد الخالق عمری، عبد السلام بن عبد الستار، عبد القیوم شفیق عثمانی، مولانا عبد الرحیم خرم عمری جامعی، مولانا عبد السلام عمری مدنی، حافظ محمد ابراہیم، ڈاکٹر عطاء اللہ بخاری، حاجی سید اسماعیل سلفی، قاری سید اسحاق الحقانی، محمد بشیر، محمد اسماعیل شیخ، عبد الکبیر، عبد المتکبر اور بہت سے اقارب اور دوست واحباب شریک رہے اور ہر ایک زبان پر دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ توحید وسنت کے اس متوالے کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین یارب العالمین

واضح ہو کہ برمنگھم اور ڈوڈلی کے مقیم ڈاکٹر عبد الرب ثاقب مرحوم کے بڑے بھائی ہیں۔

☆☆☆☆

عثام بن علی روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام اعمش کو کہتے سنا:

" إذا رأيت الشيخ، لم يقرأ القرآن، ولم يكتب الحديث، فاصفع له، فإنه من شيوخ القمر» . قال أبو صالح: قلت لأبي جعفر: ما شيوخ القمر؟ قال: شيوخ دهريون، يجتمعون في ليالي القمر، يتذاكرون أيام الناس، ولا يحسن أحدهم أن يتوضأ للصلاة"

"جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ قرآن کریم نہیں پڑھتا اور حدیث نہیں لکھتا تو اس سے دور رہو وہ شیخ القمر ہے۔" ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر (راوی) سے پوچھا: شیخ القمر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "شیخ القمر اُن دہریہ لوگوں کو کہتے ہیں جو چاندنی رات میں جمع ہو کر تاریخی واقعات میں بڑی دون کی لیتے ہیں اور مسائل دینیہ میں ان کی جہالت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اچھی طرح وضوء کرنا بھی نہیں جانتے۔"

(شرف اصحاب الحدیث للخطیب: 1/67؛ والمحدث الفاصل: ص306)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مؤمن کو دعا کے ہتھیار سے سرفراز فرمایا ہے، جس پر نہ کسی کا اختیار ہے، نہ روک و پابندی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ»

”دعا مؤمن کا ہتھیار ہے۔“ (ضعیف الجامع للالبانی)

اسی طرح کی ایک اور ضعیف روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی جاتی ہے:

«نِعْمَ سِلَاحُ الْمُؤمِنِ الصَّبْرُ وَالدُّعَاءُ»

”مؤمن کا سب سے بہترین ہتھیار صبر اور دعا ہے۔“ (ضعیف الجامع للالبانی)

ہاں معنوی اعتبار سے دعا ہتھیار ہے، دعا طاقت ہے، دعا زندگی ہے، دعا رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے، دعا اصل عبادت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ»

”دعا ہی عبادت ہے۔“ (سنن ابوداود:1479)

یہی نہیں بلکہ دعا کو افضل عبادت قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَاء»

”سب سے بہترین عبادت دعا ہے۔“ (حاکم، صحیح الجامع: 1122)

یہی نہیں بلکہ دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ»

”دعا عبادت کا مغز ہے۔“ (جامع ترمذی: 3371، ضعیف)

پھر بھی اگر کوئی مسلمان اس کا استعمال نہیں کرتا تو اس سے بڑا بخیل، غافل، کم ظرف، کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کو نظر انداز کرکے انسانی وسائل وذرائع پر بھروسہ واعتماد کرنا منافقت ہی نہیں بلکہ کفر ہے کسی بھی زمانے میں مسلمان کو طاقت و قوت ہی کے سبب غلبہ حاصل نہیں ہوا بلکہ ان کی کامیابیوں و فتوحات میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا سب سے بڑا دخل رہا ہے جو دعا کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہے، ایک گروہ میدان کارزار میں نبرد آزما تھا تو ایک گروہ اللہ کے حضور دست بہ دعا و سر بسجود ہو کر نصرت و فتح کی دعائیں مانگتا رہا ہے۔ اسی لئے ہر مؤمن کو تسلسل کے ساتھ دعا کرتے رہنا چاہئے رسول اللہ ﷺ نے زندگی کے ہر موقع کے لئے دعائیں سکھائی ہیں۔ دعا کی اہمیت کا انداز اس حدیث شریفہ سے کیا جاسکتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِالدُّعَاءِ

”جو کچھ نازل کردہ اور غیر نازل کردہ چیزیں ہیں اس میں دعا ہی فائدہ دینے والی ہے، اے اللہ کے بندو تم دعا کو لازم پکڑو۔“ (جامع ترمذی: 3373، صحیح)

دعا 2 طرح کی ہوتی ہے، انسان اپنے حق میں رب سے جو مانگتا ہے اور جو کسی انسان کے خلاف مانگتا ہے اسے بد دعا کہا جاتا ہے دونوں چیزیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں لیکن بد دعا کے متعلق کچھ باتیں جاننا ہمارے لئے ضروری ہے، اس لئے کہ آج ہم مسلمان انتہائی سخت حالات سے گزر رہے ہیں، ہمیں ہماری شہریت سے محروم کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں، جس کے سبب ہماری جان ومال، عزت و آبرو، زر زمین ہر چیز خطرہ میں محسوس کی جارہی ہے، جس سے ہمیں محروم کردیا جائیگا، ہر روز ایوانوں میں نت نئی سازشیں رچی جارہی ہیں، ہر طرح سے مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے، مسلمان اپنے آپ کو دل شکستہ محسوس کر رہے ہیں، ایسے میں ہماری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد کے۔ یہاں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ بد دعا کس طرح کرنا چاہئے؟

مظلوم کی بد دعا سے بچو

شریعت اسلامیہ نے سب سے پہلے یہ اصول بتایا ہے:

«اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ»

”مظلوم کی بد دعا سے بچو۔“ (صحیح مسلم: 121)

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ مظلوم کس کو کہتے ہیں؟ یہ تعریف ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اپنے حقوق، جائیداد، دولت، تشخص، گھر، وطن، سے محروم کیا جانے والا مظلوم ہے، اسی طرح ناحق ستایا جانے والا، بربریت کا شکار، چاہے وہ حکمرانوں، رشتے داروں، دوستوں اور برادران وطن کے ہاتھوں مجروح کیا گیا ہو یا عدالتوں و منصفوں کے ہاتھوں عدل وانصاف سے محروم کیا گیا ہو وہ مظلوم ہے، جس کی کوئی فریاد سننے والا نہ ہو ان سب مظلوموں کی آہ و بکا، چیخ و پکار سننے والی ایک ہی ذات ہے، جو اللہ رب العالمین کی ہے وہ ہر اس انسان کی سنتا ہے جو مظلومیت کا شکار ہو، اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ

”مظلوم کی بد دعا سے بچو۔“

ایک حدیث شریفہ میں واقعہ یوں ہے کہ جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب محصل زکوۃ کی حیثیت سے بھیجا جارہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں

کچھ نصیحتیں فرمائیں کہ

”اے معاذ! تم اہل کتاب کی ایک جماعت کے پاس جا رہے ہو، ان کو اس بات کی طرف بلانا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ یہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ یہ بھی مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر غریبوں کو دی جائیں گی، پھر اگر وہ یہ بھی مان لیں تو تم ان کے عمدہ مالوں کو نہ لینا اور فرمایا کہ

«اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ»

”مظلوم کی بد دعا سے بچتے رہنا کہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں۔“(سنن ابوداؤد:1584)

اس حدیث شریفہ میں مظلومیت کی بہت ہی آسان تشریح کی گئی ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر ایک واقعہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ

”اللہ تعالیٰ مظلوم کی فریاد کس طرح سنتا ہے؟“

یہ واقعہ کسی عام انسان کا نہیں بلکہ 2 مؤمنین کے درمیان کا ہے۔ واقعہ یوں کہ سیدنا سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اروىٰ بنت اویس سے ان کے ساتھ گھر کے ایک حصے کے بارے میں جھگڑا ہوا، انہوں نے کہا: اسے اور گھر کو چھوڑ دو (جو چاہے کرتی رہے) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ ﷺ فرما رہے تھے:

”جس نے حق کے بغیر ایک بالشت زمین بھی حاصل کی قیامت کے دن وہ 7 زمینوں (تک) اس کی گردن کا طوق بنا دیا جائیگا (اس کی ایذا رسانی سے تنگ آکر)

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بد دعا کی کہ

«اللَّهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَأَعْمِ بَصَرَهَا، وَاجْعَلْ قَبْرَهَا فِي دَارِهَا»

”اے اللہ یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے اور اس کے گھر ہی میں اس کی قبر بنا دے۔“

محمد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے اس عورت (اروىٰ بنت اویس) کو دیکھا وہ اندھی ہو گئی تھیں، دیواریں ٹٹولتی پھرتی تھی اور کہتی تھی، مجھے سعید بن زید کی بد دعا لگ گئی ہے، ایک مرتبہ وہ گھر میں چل رہی تھیں، گھر میں کنویں کے پاس سے گزریں اور اس میں گر گئیں، وہی کنواں اس کی قبر بن گیا۔ (صحیح مسلم: 4133)

خواہ مخواہ کے بد دعا کی ممانعت

عوام الناس کو اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ بد دعا حق کے ساتھ دینی چاہئے، ہر چھوٹی موٹی بات پر بد دعا اچھی بات نہیں ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لاَ تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلاَ تَدْعُوا عَلَى أَوْلاَدِكُمْ وَلاَ تَدْعُوا عَلَى خَدَمِكُمْ وَلاَ تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ لاَ تُوَافِقُوا مِنَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى سَاعَةَ نَيْلٍ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ »

”تم لوگ نہ اپنے لئے بد دعا کرو اور نہ اپنی اولاد کے لئے اور نہ اپنے خادموں کے لئے اور نہ ہی اپنے اموال کے لئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو جس میں دعا قبول ہوتی ہو اور اللہ تمہاری بد دعا قبول کرلے۔“(سنن ابوداؤد:1532)

اسی طرح ایک اور حدیث سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادی بواط کی جنگ میں تھے، آپ قبیلہ جہنیہ کے سردار مجدی بن عمرو جہنی کو ڈھونڈ رہے تھے، پانی ڈھونے والے ایک اونٹ پر ہم 5، 6 اور 7 آدمی باری باری بیٹھتے تھے۔ انصار میں سے ایک آدمی کی اپنے اونٹ پر بیٹھنے کی باری آئی تو اس نے اونٹ کو بٹھایا اور اس پر سوار ہو گیا، پھر اس کو اٹھایا تو اس (اونٹ) نے اس کے حکم پر اٹھنے میں کسی حد تک دیر کی تو اس نے کہا: کھڑا ہو، تم پر اللہ لعنت کرے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اپنے اونٹ پر لعنت کرنے والا کون ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس سے اتر جاؤ، جس پر لعنت کی گئی ہو وہ ہمارے ساتھ نہ چلے۔“ پھر فرمایا:

«لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ، لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ، فَيَسْتَجِيبُ لَكُمْ»

”اپنے آپ کو بد دعا نہ دو، نہ اپنی اولاد کو بد دعا دو، نہ اپنے مال مویشی کو بد دعا دو، اللہ کی طرف سے مقرر کردہ مقبولیت کی گھڑی کی موافقت نہ کرو، جس میں (جو) کچھ مانگا جاتا ہے وہ تمہیں عطا کر دیا جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم:7515)

حدیث شریفہ میں ایک واقعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یوں بیان کیا گیا ہے کہ

سُرِقَتْ مِلْحَفَةٌ لَهَا فَجَعَلَتْ تَدْعُو عَلَى مَنْ سَرَقَهَا فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ لَا تُسَبِّخِي عَنْهُ

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک لحاف چرا لیا گیا تو وہ اس کے چور پر بد دعا کرنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمانے لگے: ”تم اس کے گناہ میں کمی نہ کرو۔“(سنن ابوداؤد: 1497)

سیدنا نوح علیہ السلام کی بد دعا

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی سیدنا نوح علیہ السلام ہیں، جنہوں نے 950 سال دعوت و تبلیغ کا کام کیا ہے، لیکن ان کی قوم نے انہیں خوب ستایا، ان کی دعوت کا تمسخر کیا، ان کی کردار کشی کی، انہیں جھٹلایا اور قوم کو ان کے

خلاف ابھارا اور بے بس کر دیا، ایک وقت ایسا آیا کہ انہوں نے اپنی قوم کے حق میں بد دعا کی جس کا ذکر قرآن میں یوں کیا گیا ہے:

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا 0 إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾

”اور سیدنا نوح (علیہ السلام) نے کہا: ”اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑنا اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کر دیں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔“ (سورۃ نوح:36۔37)

یہ بد دعا اس وقت کی جب سیدنا نوح علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے بالکل نا امید ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اطلاع کر دی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یہ بد دعا قیامت تک آنے والے ظالموں کے لئے ہے۔ اسی لئے جابروں، ظالموں کے خلاف بد دعا کرنا امت مسلمہ کا حق ہے۔

رسول کریم ﷺ اور آل ہاشم کے سماجی بائیکاٹ پر رسول اللہ ﷺ کی بد دعا

کفار قریش نے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، آزادی سے عبادات و معاملات کا راستہ روک دیا۔ سنہ 7 نبوی کا واقعہ ہے کہ کفار مکہ کے تمام سردار وادی محصّب میں خیف بنی کنانہ میں جمع ہوئے اور آل ہاشم کے خلاف یہ ایجنڈہ تیار کیا کہ

(1) نہ ان سے شادیاں کریں گے۔

(2) نہ خرید و فروخت۔

(3) نہ ساتھ اٹھیں گے نہ بیٹھیں گے۔

(4) نہ میل جول رکھیں گے۔

(5) نہ انکے گھروں کو آئیں گے نہ جائیں گے۔

(6) نہ ان سے بات چیت کریں گے۔

جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں گے۔ یہ معاہدہ خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا۔ اور سارے بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا، جس کے چار اسباب تھے:

(1) سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

(2) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

(3) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئی سودے بازی کا رد کیا جانا۔

(4) بنو ھاشم کے سارے مسلمانوں کا رسول اللہ کی حفاظت کے لئے متحد ہو جانا۔

یہ محاصرہ 3 سال یعنی سنہ 10 نبوی تک جاری رہا، سامان خورد و نوش ختم ہو گیا تو پتے اور سوکھا چمڑا پانی میں بھگو کر کھانے پر مجبور ہوئے۔

سنہ 10 نبوی میں جب یہ صحیفہ اس معاہدہ کے ناراض مشرکین نے چاک کر دیا، اصل میں کیڑوں نے اس صحیفے کو کھا لیا صرف اللہ کا نام «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» بچا تھا۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ شعب ابی طالب سے نکل آئے اور ایک شخص بغیض بن عامر بن ہاشم نامی جس نے بنو ہاشم کے بائیکاٹ کا صحیفہ لکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق میں بد دعا کی تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ (الرحیق المختوم:172؛ زاد المعاد:2/49)

رسول اللہ ﷺ پر اوجھڑی ڈالنے والوں کے حق میں بد دعا

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل اور اس کے ساتھی بھی بیٹھے ہوئے تھے، اور ایک دن پہلے ایک اونٹنی ذبح کی ہوئی تھی، ابو جہل نے کہا تم میں سے کون اٹھ کر بنی فلاں کے محلے سے اونٹنی کے بچے والی جھلی (بچہ دانی) لائے گا اور محمد سجدے میں جائیں تو اس کو ان کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دے گا؟ قوم کا سب سے بد بخت شخص (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا اور اس کو لے آیا۔ جب نبی ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے وہ جھلی آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دی، پھر وہ آپس میں خوب ہنسے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے، میں کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا، کاش اگر مجھے کچھ بھی تحفظ حاصل ہوتا تو میں اس جھلی کو رسول اللہ ﷺ کی پشت سے اٹھا کر پھینک دیتا، نبی ﷺ سجدے کی حالت میں تھے، اپنا سر مبارک نہیں اٹھا رہے تھے، حتی کہ ایک شخص نے جا کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی وہ آئیں حالانکہ اس وقت کم سن بچی تھیں، انہوں نے وہ جھلی اٹھا کر دور پھینک دی، پھر وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئیں انہیں سخت سست کہا، نبی ﷺ نے اپنی نماز مکمل کی تو آپ نے ان کے خلاف بآواز بلند بد دعا کی، آپ جب کوئی دعا کرتے تھے تو تین مرتبہ دہراتے اور آپ ﷺ کچھ مانگتے تو تین مرتبہ مانگتے، پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ»

”اے اللہ! قریش پر گرفت فرما۔“ جب قریش نے آپ کی آواز سنی تو ان کی ہنسی جاتی رہی اور وہ آپ کی بد دعا سے خوف زدہ ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے ان الفاظ میں بد دعا فرمائی:

«اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ، وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ»

”اے اللہ! ابو جہل بن ہشام پر گرفت فرما، اور عتبہ بن ربیعہ، اور شیبہ بن ربیعہ، اور ولید بن عقبہ، اور امیہ بن خلف، اور عقبہ بن ابی معیط پر گرفت فرما۔“ ساتویں شخص کا نام بھی لیا تھا لیکن وہ مجھے یاد نہیں۔ (سات آدمیوں پر بد دعا کی ساتواں آدمی عمارۃ بن ولید تھا)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

"اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق و صداقت کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا، جن کا نام آپ ﷺ نے لیا تھا، میں نے بدر کے دن ان کو مقتول پڑے دیکھا، پھر ان سب کو گھسیٹ کر بدر کے کنویں کی طرف لے جایا گیا اور انھیں اس میں ڈال دیا گیا۔

(صحیح بخاری:240؛ صحیح مسلم:1494؛ سنن نسائی:307)

ان شاء اللہ وہی رب العالمین انہیں انجام تک پہنچائے گا۔

سراقہ بن مالک پر بددعا

یہ ہجرت مدینہ کا واقعہ ہے اہل مکہ نے جناب محمد ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گرفتاری پر انعام رکھا اور سراقہ بن مالک بن جعشم ان دونوں کا پیچھا کیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو پا لیا، لیکن اس کے گھوڑے کے پیر 3 مرتبہ زمین میں دھنس گئے اور اور وہ گر گیا اور سمجھا کہ محمد غالب آکر رہیں گے (یہ ایک طویل واقعہ ہے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول ﷺ مکہ سے مدینہ کو آئے تو سراقہ بن مالک نے مشرکوں کی طرف سے آپ ﷺ کا پیچھا کیا، آپ ﷺ نے اس کے لئے بد دعا کی تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا، وہ بولا آپ میرے لئے دعا کیجئے میں آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا، آپ ﷺ نے اللہ سے دعا کی تو اسے نجات ملی، پھر آپ ﷺ کو پیاس لگی اور آپ ﷺ بکریوں کے چرواہے کے قریب سے گزرے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے پیالہ لیا اور تھوڑا سا دودھ آپ ﷺ کے لئے دوہا اور لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے پیا، یہاں تک کہ میں خوش ہوا۔" (صحیح مسلم:5239)

قبیلہ مضر کے حق بددعا

مضر کفار کا ایک ایسا قبیلہ تھا، جس کا ظلم و ستم و خونریزی مشہور عام تھی، مسافرین پر ہمیشہ اس کا خوف طاری رہتا، جس کی شکایت قبیلہ عبد القیس کے خاندان ربیعہ نے رسول اللہ ﷺ سے کی تھی، سوائے حرمت والے مہینوں کے تمام مہینوں میں قبیلہ مضر کی لوٹ مار عام بات تھی، اسی لئے مدینہ کی راہ میں سفر کرنے والے لوگ قبیلہ مضر کے خوف سے حرمت والے مہینے ہی میں سفر کرتے تھے۔ ان کے ظلم و ستم اور سخت دلی کے سبب رسول اللہ ﷺ نے بد دعا کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے ان الفاظ میں فجر کی نماز میں بد دعا کرتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سر مبارک آخری رکعت کے رکوع سے اٹھاتے تو یوں فرماتے:

«اللَّهُمَّ أَنْجِ الوَلِيدَ بْنَ الوَلِيدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَالمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ المُؤْمِنِينَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ وَأَهْلُ المَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُونَ لَهُ» (صحیح بخاری:804، 1006، 3386؛ صحیح مسلم)

"اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے دے، سلمہ بن ہشام کو نجات دے دے، عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے دے، اے اللہ! مکہ کے بے بس و ناتواں مسلمانوں کو نجات دے دے۔ یا اللہ! مضر کے کافروں کو سخت پکڑ۔ یا اللہ! ان کے سال سیدنا یوسف علیہ السلام کے سال کر دے۔"

واقعہ (5) قبیلہ رعل اور ذکوان کے خلاف بددعا

ابو مجلز نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت کیا، آپ رعل اور ذکوان کے خلاف بد دعا فرماتے تھے اور کہتے تھے: عصیّہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔" (صحیح مسلم: 1547، 1548، 1554)

جنگ احزاب (خندق) میں رسول اللہ ﷺ کی بددعا

غزوہ خندق جسے غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ 5ھ میں پیش آئی، بنو نضیر نے سارے قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف متحد کر لیا، قبیلہ غطفان، بنی اسد اور ان کے حلیفوں کا ایک لشکر جرار جمع کر لیا، جن کی تعداد 10 ہزار تھی اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے، جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ نے 3 ہزار صحابہ کو لیکر خندق کھودنے کا آغاز کیا، اپنی مدت مقررہ پر خندق کھود لی گئی، مشرکین چاروں جانب سے مسلمانوں کو گھیرنے کی کوشش کئے جنگ کا آغاز ہوا، دو بدو حملہ خندق کے سبب نہ ہو سکا لیکن تیر اندازی کا سلسلہ جاری رہا، اسی جنگ کی جدوجہد میں رسول اللہ ﷺ کی عصر کی نماز چھوٹ گئی تو آپ ﷺ نے ان قبائل پر بد دعا کی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب (خندق) کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے (مشرکین کو یہ بد دعا دی کہ

«مَلَأَ اللَّهُ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا، شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الوُسْطَى حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ»

"اے اللہ! ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے، کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ (عصر کی نماز) نہیں پڑھنے دی یہ آپ نے اس وقت فرمایا: جب سورج غروب ہو چکا تھا اور عصر کی نماز قضا ہو چکی تھی۔" (صحیح بخاری:2931)

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ ایک دن ایسی آندھی چلی کہ دشمنوں کے خیموں کی رسیاں اکھڑ گئیں، کھانے کی ہانڈیاں چولہوں پر الٹ جاتی تھیں، سردی میں ہوا کی اس تیز باڑھ نے بھی کفار کے دل کپکپا دیئے، قبائل کفار کے قدم لرز گئے اور وہ سب منتشر ہو گئے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی بد دعا کا اثر تھا۔ کیا ابھی بھی ہم اس

شک میں رہیں گے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں قنوت نازلہ پڑھا جائے یا نہیں؟ مسلمانوں کے پاس اب سوائے رب تعالیٰ کی مدد کے کچھ بھی نہیں ہے۔اللہ کی نصرت و مدد کے سامنے ان کی تمام تدابیر ہیچ ہیں۔

پنج وقتہ نمازوں میں بددعا

عوام الناس کو چاہیے کہ ابتلاء و آزمائش اور عدم تحفظ کے موقع پر پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ کا اہتمام کریں، عموماً لوگ فجر اور عشاء ہی میں قنوت کا اہتمام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض لوگ صرف جہری نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں اور بعض اہل علم کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تسلسل سے قنوت نازلہ پڑھنے کو ناپسند کرتے ہیں، انھیں ایسی باتوں سے باز رہنا چاہیے، جس چیز کا جواز ہے اس کو تسلسل ہی سے اپنانا چاہیے چونکہ دعا ہماری ضرورت ہے۔

اس ضمن میں ایک حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ عَلَى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ وَيُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهُ

”رسول اللہ ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر میں ہر نماز کے بعد ایک ماہ تک مسلسل قنوت پڑھی، جب آخری رکعت میں " سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو آپ ﷺ بنی سلیم کے قبائل، رعل، ذکوان اور عصیہ کے حق میں بددعا کرتے اور جو لوگ آپ کے پیچھے ہوتے آمین کہتے۔“ (سنن ابو داود: 1443)

ظالموں وجابروں کا نام لیکر بددعا و لعنت کرنا

سابقہ احادیث میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض قبائل اور بعض افراد کا نام لیکر ان پر بددعا کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی دعاؤں میں اور اپنی گفتگو میں ظالموں و جابروں کا نام لیکر بددعا و لعنت کی جا سکتی ہے یہاں ہم ایک اور حدیث بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو سیدنا ابو بکر اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہما بخار میں مبتلا ہو گئے، جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بخار میں مبتلا ہوئے، تو یہ شعر پڑھتے تھے:

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

”ہر آدمی اپنے گھر والوں میں صبح کرتا ہے، حالانکہ اس کی موت اس کی جوتی کے تسمے سے بھی قریب ہے۔“

اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا جب بخار اترتا تو آپ بلند آواز سے یہ اشعار پڑھتے:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ
وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

”کاش میں ایک رات مکہ کی وادی میں گزار سکتا اور میرے چاروں طرف اذخر اور جلیل (گھاس) ہوتیں۔ کاش! ایک دن میں مجنہ کے پانی پر پہنچتا اور کاش! میں شامہ اور طفیل (پہاڑوں) کو دیکھ سکتا۔“

کہا کہ

اللَّهُمَّ الْعَنْ شَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ كَمَا أَخْرَجُونَا مِنْ أَرْضِنَا إِلَى أَرْضِ الْوَبَاءِ

”اے میرے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف مردودوں پر لعنت کر۔ انہوں نے اپنے وطن سے اس وباء کی زمین میں نکالا۔“

رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

«اَللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مُدِّنَا وَصَحِّحْهَا لَنَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ قَالَتْ وَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَهِيَ أَوْبَأُ أَرْضِ اللَّهِ قَالَتْ فَكَانَ بُطْحَانُ يَجْرِي نَجْلًا تَعْنِي مَاءً آجِنًا» (صحیح بخاری: 1889)

”اے اللہ! ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما، اور مدینہ کی آب و ہوا ہمارے لئے صحت خیز کر دے یہاں کے بخار کو جحفہ میں بھیج دے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب ہم مدینہ آئے تو یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ وباء والی زمین تھی، انہوں نے کہا کہ مدینہ میں بطحان نامی ایک نالے سے ذرا ذرا بدمزہ اور بدبودار پانی بہا کرتا تھا۔“

منافقین پر بددعا

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر میں جب رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا: «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» یہ آخری رکعت کی بات تھی، پھر یہ بددعا کرنے لگے:

«اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا، وَفُلَانًا» دَعَا عَلَى نَاسٍ مِنَ الْمُنَافِقِينَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾

”اے اللہ! تو فلاں پر لعنت کر۔۔۔“

منافق لوگوں پر آپ ﷺ نے بددعا کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دیا:

”اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں کچھ نہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرلے یا عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔“ (مسند احمد: 6349/1760)

☆☆☆

علم وعمل کا مرقع، تقویٰ وتدین کا نمونہ
حضرت حافظ محمد یحیٰ عزیز میر محمدی

حافظ عبدالاعلیٰ درانی ۔ بریڈفورڈ۔ برطانیہ

حضرت حافظ محمد یحی عزیز میر محمدی کی شخصیت تمام حلقوں میں غیر متنازع اور ہر طبقے اور ہر فرد کے لئے قابل احترام تھی۔ آپ کو جس نے ایک بار دیکھا، وہ آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا۔ آپ کی آواز میں اللہ تعالیٰ نے ایسی حلاوت، گفتگو میں متانت اور اس قدر شرینی رکھی تھی، خصوصاً جب آپ اپنے مخصوص انداز میں قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے تو سخت سے سخت دل میں نرمی پیدا ہو جاتی تھی۔ آپ کی شخصیت نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کی آئینہ دار تھی۔ آپ کی زبان نہایت شیریں تھی حتیٰ کہ آپ کسی کے بارے میں غیبت اور ناشائستہ گفتگو سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ دیانت و تقویٰ، سنتِ رسول کی محبت، شرم وحیا، خیر خواہی اور قرآن و حدیث کی تدریس جیسی خوبیوں سے مالا مال آپ کا خاندان عرصۂ دراز سے ضلع قصور کے گاؤں ”میر محمد“ میں آباد ہے۔ آپ کا نام محمد یحیٰ عزیز بن حافظ محمد عظیم بن نواب خان بن روشن دین ہے۔ آبائی تعلق بھوجیاں (بھارت) کے مردم خیز قصبے سے تھا، جہاں علم وعرفان کی ایسی قندیلیں اور شمعیں روشن ہوئیں جنہوں نے سرزمین ہند ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند بھی تاریک وادیوں کو روشن کیا۔ حافظ محمد عظیم کا تعلق ایسے خانوادہ سے تھا جس کا رجحان اکثر وبیشتر جدال وخصام کی طرف رہا ہے لیکن ان کی بلند بختی کہ ان کے خاندان میں ان کے بڑے بھائی بلند خاں اور چچا مستقیم خاں نے، مولانا فیض اللہ خاں جو افغانستان سے بھوجیاں (بھارت) آئے تھے، یعنی حضرت یحیٰ عزیز کے نانا جان، ان کے ذریعے کتاب وسنت کا مسلک اختیار کیا جس کی بنا پر ان کے گھروں میں مروّجہ جاہلانہ طرزِ زندگی کی بجائے اُن اطوار کو اختیار کر لیا گیا تھا جن کا تقاضا کتاب وسنت نے کیا ہے۔

حافظ یحیی میر محمدی 4 شوال 1345ھ بمطابق 12/ دسمبر 1927ء کو ضلع لاہور، حال قصور کے معروف گاؤں میر محمد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حافظ محمد عظیم جو خود بھی حافظ قرآن تھے، انتہائی متقی اور پرہیز گار شخص تھے۔ ایامِ طفولیت سے ان کا رجحان ومیلان عجز وانکساری اور صالحیت اور اِتقا کی طرف ہو گیا جو تادمِ آخر قائم ودائم رہا۔ حافظ میر محمدی نے حفظ قرآن کے بعد اخذِ علم کے لیے مدرسہ محمدیہ، لکھوکے اور مدرسۂ غزنویہ، امرتسر میں قیام کیا چونکہ ان کا قلبی اور طبعی رجحان عرفان وسلوک کی طرف تھا۔ اس لیے اپنی تشنگی کی سیرابی کے لئے وہ کچھ عرصہ سید محبوب علی شاہ لکھوی اور شیدائی سنت حضرت مولانا کمال الدین کی خدمت میں رہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان دو شخصیات کی صحبتوں کا رنگ ان کی قبائے حیات پر غالب رہا۔ ان کے زہدو وَرع اور سلوک وعرفان کے بارے میں لوگوں میں کافی حکایات وروایات معروف ہیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ مرحوم حافظ محمد صاحب آیت الکرسی پڑھ کر بغیر کسی محافظ کے کھیتوں میں مویشی چھوڑ آتے، ان کے مویشی محفوظ رہتے، حالانکہ وہ علاقہ جرائم پیشہ افراد کی کثرت اور ڈکیتی وغیرہ میں معروف تھا۔ حافظ محمد کے علاوہ بھی اس خاندان کے کئی افراد تقویٰ وصالحیت میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ نرم رو اور نرم خو اتنے کہ کسی انسان سے اُلجھنا اور جدال وخصام تو دور کی بات ہے، وہ جانور کو بھی نہیں مارتے تھے۔ کاشتکاری کے دوران جب ہل چلاتے تو بیلوں کو چھڑی سے نہیں بلکہ کپڑے سے ہانکتے تھے۔ حافظ محمد عظیم کو اللہ تعالی نے دو بیٹوں سے نوازا۔ مولانا محمد یعقوب اور حافظ محمد یحیٰ عزیز۔ مولانا محمد یعقوب کچھ عرصہ دہلی میں حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے مدرسہ میں زیر تعلیم رہے۔ یہ دونوں بھائی نیکی اور تقویٰ شعاری میں بلاشبہ اپنی مثال آپ تھے۔ والدین کی شرافت اور نیکی کے اثرات کی وجہ سے بچپن ہی سے حافظ صاحب کو نیک کام کرنے اور بھلائی والے اعمال میں حصہ لینے کا شوق اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے ملا تھا۔ قرآنِ مجید کی تعلیم کا آغاز اپنے چچا حافظ دوست محمد سے کیا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم میر محمد میں قائم مدرسہ میں حاصل کی، یہاں حفظِ قرآن اور مشکوٰۃ شریف کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے امرتسر چلے گئے اور مدرسہ غزنویہ امرتسر میں زیر تعلیم ہی تھے کہ پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ تقسیم ہند کے بعد کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ رکا رہا۔ بعدازاں پاکستان آکر اپنے نانا جی کے شاگردِ خاص مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی جو کہ گوندلا نوالہ ضلع گوجرانوالہ میں تدریس پر مامور تھے، ان سے کچھ عرصہ اکتسابِ فیض کیا۔ پھر اپنے وقت کے سب سے بڑے شیخ الحدیث حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت ٹاہلی والی مسجد، گوجرانوالہ میں حدیث پڑھایا کرتے تھے، ان کے حلقہ تدریس میں شامل ہو کر بخاری شریف ودیگر کتب پڑھیں ۔ محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے

تھے میرے شاگردوں میں یحییین (دو یحیٰ)میرا اصل سرمایہ ہیں۔ ایک حافظ محمد یحیٰ عزیز میر محمدی اور دوسرے مولانا محمد یحیٰ شرقپوری۔ محدث گوندلوی کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں حافظ دوست محمد، حافظ محمد بھٹوی، مولانا نیک محمد، مولانا عبداللہ بھوجیانی، مولانا عبدالرحیم بھوجیانی، مولانا محمد حسین ہزاروی جیسے رجال حدیث وتقویٰ شامل ہیں۔ حافظ محمد یحیٰ عزیز میر محمدی اکثر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ بچپن میں ایک دفعہ سکول سے گھر آ رہا تھا کہ ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جس نے بھاری گٹھڑی اُٹھائی ہوئی تھی۔ ضعیف العمری کی وجہ سے بڑی مشکل سے چل رہی تھی۔ تقریباً چار میل کے فاصلے پر میرا اسکول تھا جو میرے گھر سے دور تھا، میرے پوچھنے پر اس بوڑھی خاتون نے بتایا کہ میں نے گاؤں میر محمد جانا ہے۔ میں نے اس کا بوجھ اُٹھایا اور اس کے گھر تک پہنچایا۔ اس وقت بوڑھی عورت نے مجھے دعائیں دیں تو میں حیران رہ گیا کیونکہ میری نظر میں وہ اتنا بڑا کارنامہ نہیں تھا جس کی مجھے اتنی زیادہ دعائیں مل گئیں۔ اس وقت سے میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ خدمتِ خلق اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اس لئے ہر دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

حافظ صاحب اپنے والدِ گرامی کے جاری کردہ مدرسہ حفظ القرآن میر محمد، مدرسہ ضیاء السنہ راجہ جنگ قصور کے انتظام و انصرام میں بھی مصروف رہے۔ 1973ء میں آپ نے پھول نگر کے نواح میں ادارہ الاصلاح بونگہ بلوچاں کے نام سے دعوت و تبلیغ اور روحانی تربیت کا مرکز قائم کیا۔ انہوں نے گھر گھر جا کر تبلیغ کے لیے جماعت بھی تشکیل کی۔ فیصل آباد کے معروف تاجر حاجی غلام نبی اور قاری عزیز احمد نے اس دعوتی واصلاحی گروپ کو متعارف کرانے میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا۔ اور ابھی تک یہ تبلیغی کام جاری و ساری ہے۔ دعوت و تبلیغ کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ حافظ محمد یحیٰ عزیز میر محمدی نے چند کتب بھی تحریر فرمائیں۔ حافظ محمد یحیٰ کی تقریر اتنی دلربا ہوتی تھی تو سامعین کبھی نہیں اکتاتے تھے، دعوت کا اثر بھی تھا اور طرز گفتگو میں علم و ادب کی چاشنی بھی۔ تقریر کے تمام جملے موتیوں کی طرح آبدار ہوا کرتے تھے اگر بابائے اردو انہیں سن لیتے تو حافظ صاحب کو اردو ادب کا امام مان لیتے۔ اردو کے علاوہ آپ کی پنجابی میں تقریر بھی بڑی خوبصورت جملوں سے مزین ہوا کرتی تھی۔

قرآن کریم کی ترجمانی اتنی خوبصورتی سے کرتے کہ معلوم ہوتا کہ ہندوستان کا سب سے بڑا ادیب شاعری میں گفتگو کر رہا ہے۔ آپ کی شخصیت بھی بہت خوبصورت تھی اور علم و عمل کی چاندنی آپ کے نورانی چہرے سے پھوٹ رہی ہوتی تھی۔ آپ کے اسی منفرد طرز تکلم کو سامنے رکھتے ہوئے آپ سے باربار درخواست کی جاتی تھی کہ آپ قرآن کریم کا اپنی ادبی زبان میں ترجمہ کر دیں۔ لیکن دعوت و تبلیغ میں دن رات مشغولیت کی وجہ سے آپ کے پاس اتنی فرصت ہی نہیں تھی۔ اس کے باجود کراچی کے احباب نے آپ کو مجبور کر کے قرآن کریم کی تلاوت، ترجمہ اور تفسیر 45 کیسٹوں میں ریکارڈ کروا ہی لیا جس کی خاطر آپ کو بار بار کراچی جانا پڑتا تھا۔ کاش کوئی صاحب اس ترجمہ و تفسیر کو انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کر دے تو اتنا بڑا سرمایہ فراہم ہو جائے گا جو بہت بڑا خزانہ سمجھا جائے گا۔ حافظ صاحب نہایت خوش مزاج مسکراتے چہرے اور شیریں زبان تھے۔

آپ کو غرباء، طلباء و علماء سے بہت محبت تھی۔ ان پر خرچ کرنا گویا ان کی مجبوری تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے آپ ہمیشہ صدقہ و خیرات کرتے رہتے۔ وہ خود بھی ایک زمیندار اور مالدار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑے دریادل تھے لیکن اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بہت بچتے تھے۔ فضول خرچی سے بہت اجتناب کرتے وضو اور نہانے کے لئے آپ پانی اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرتے۔ عام نمازیوں کی طرح پانی کا ضیاع آپ کو سخت ناپسند تھا۔ ساری عمر نام و نمود اور نمائش سے مجتنب رہے۔ ملک کے کونے کونے میں آپ دعوت و تبلیغ کیلئے جاتے لیکن کبھی کسی سے سفری اخراجات نہیں لیتے تھے اگر کوئی زبردستی دے دیتا تو وہ ادارے کے اکاؤنٹ میں ڈال دیا کرتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے سفر وحضر میں ہمیشہ تہجد کی پابندی کی۔ آپ کی غذا بالکل سادہ اور بہت کم رہی، وعدے کی پابندی آپ کا شعار رہا۔ ماہِ رمضان المبارک کا پورا مہینہ آپ مرکز ادارہ الاصلاح بونگا بلوچاں میں قیام کرتے اور تمام خطباتِ جمعہ کا فریضہ سرانجام دیتے جبکہ باقی گیارہ مہینوں میں صرف ہر چاند کا دوسرا خطبہ یہاں ارشاد فرماتے۔ باقی خطباتِ جمعہ مختلف مقامات پر جا کر دیتے۔

آپ کا لباس ہمیشہ معمولی قسم کا لیکن صاف ستھرا ہوتا۔ صفائی کا خاص خیال رکھتے۔ ان کی ساری زندگی سادگی، قناعت، شرافت، مروّت اور وضع داری میں گزری۔ اُنھیں دیکھنے سے اہل اللہ اور علمائے سلف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ یہی وہ خوبی ہے جس کی بنا پر ہر فرد اُن کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ آپ نے ہمیشہ لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تلقین کی۔ ان کی شخصیت میں عجیب قسم کا جلال و جمال تھا۔ اُنھیں اپنے بلند منصب کا کبھی احساس نہیں ہوا تھا۔ اس لیے تو تکبر اور احساسِ برتری جیسی مہلک بیماریاں ان کے قریب بھی نہ پھٹک سکیں۔

1990ء میں علامہ احسان الٰہی ظہیر اور میاں فضل حق کے جماعتی گروپوں کو جب متحد کیا گیا تو آپ کو متحدہ جمعیت اہل حدیث کا امیر بھی مقرر کیا گیا۔

دعوتی سرگرمیوں کی وجہ سے آئندہ انتخابات میں آپ نے امارت سے معذرت کر لی لیکن جمعیت کے شعبہ نشرواشاعت اور ناظم تبلیغ کا عہدہ ہمیشہ آپ کے سپرد رہا۔ حافظ محمد یحیٰ عزیز بڑے خوددار اور آخرت کی تیاری میں مصروف رہتے تھے۔ بیرونِ ملک سفر بھی آپ کو متعدد دفعہ دعوت دی جاتی لیکن آپ ہمیشہ کنی کترا جاتے البتہ بسلسلہ حج آپ تین بار سعودی عرب گئے۔ اس کے علاوہ برطانیہ، متحدہ عرب امارات، دبئی اور کویت میں دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں آپ کو جانے کا اتفاق ہوا۔

جب دوسری دفعہ مولانا محمود احمد میرپوری مرحوم ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ نے انہیں برطانیہ میں تبلیغی کانفرنس کی دعوت دی تو آپ نے معذرت کر لی کہ استخارے میں مجھے اشارہ نہیں ملا اس لیے میں نہیں آسکتا۔ آپ کی اولاد میں اکلوتا بیٹا حافظ مولانا محمد اسمٰعیل میر محمدی اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ آپ کے دو بھانجے قاری محمد ابراہیم میر محمدی اور قاری صہیب میر محمدی دونوں کو مدینہ یونیورسٹی سے علوم قرآن و حدیث حاصل کرنے کا شرف ہے۔ قاری محمد ابراہیم راقم کے ساتھ ہی مدینہ منورہ میں مصروف تدریس رہے۔ وہ بہت صالح، متقی ہونے کے ساتھ بہترین قاری قرآن تھے اور سعودی عرب کے ریڈیو قرآن (اذاعۃ القرآن الکریم) میں آپ کی تلاوت نشر ہوا کرتی تھی۔

یونیورسٹی سے فراغت کے بعد آپ نے جامعہ لاہور میں کلیۃ القرآن قائم کیا اور قاری صہیب احمد اپنے ماموں کے قائم کردہ ادارہ الاصلاح کو جدید انداز میں سیٹ کر کے حافظ صاحب کیلئے صدقہ جاریہ کے طور پر چلا رہے ہیں۔

حافظ میر محمدی نے یکم نومبر 2008ء کو نماز عشاء کے بعد خالق حقیقی کی دعوت پر لبیک کہا۔ اور 2 نومبر 2008ء کو مرکز البدر، بونگہ بلوچاں میں آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ صالح و بزرگ روحانی ہستی حضرت مولانا عتیق اللہ نے نہایت خشوع و خضوع سے پڑھائی۔

نمازِ جنازہ میں ملک بھر سے شیوخ اہل حدیث، علماء کرام، قرائے عظام، دینی طلبہ اور دینی تنظیموں کے قائدین وکارکنان نے بڑی تعداد شرکت کی۔ جنازے میں ہر آنکھ اشکبار تھی۔ دوسری بار آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے آبائی گاؤں میر محمد میں ادا کی گئی۔ وہیں پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ کے دونوں مناظر تاریخی حیثیت کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ محمد یحیٰ عزیز میر محمدی کی حسنات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔

☆☆☆

غائبانہ نماز جنازہ

مسجد محمدی برمنگھم میں قاری عبد القدیر کی غائبانہ نماز جنازہ

جامع مسجد محمدی، الم راک برمنگھم میں ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی جس میں بہت سے دوست واحباب اور اقارب و علماء کرام نے شرکت کی۔ ڈاکٹر عبد الرب نے نماز جنازہ پڑھانے سے قبل کہ میرا چھوٹا بھائی بہت ہی متقی اور پرہیز گار زندگی گزار کر چلا گیا ہے وہ توحید وسنت پر خود عمل کرنے والا اور اسی کا داعی تھا۔ وہ اچانک داغ مفارقت دے گیا یعنی وہ مجھ سے اوورٹیک کر کے آگے نکل گیا اور یہ سب کچھ قضا وقدر سے ہوا جس پر ہمارا ایمان ہے۔ میرے والد مرحوم اور تایا مرحوم کا تربیت یافتہ تھا، جنازہ غائبانہ میں حاجی عبد الغفور چوہدری، حاجی محمد اسلم چوہدری، حاجی محمد نسیم، چوہدری محمد سلیمان، مولانا حفیظ اللہ خان المدنی، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، قاری محمد حفیظ الرحمٰن، محمد فاروق نسیم، افتخار احمد، راجہ مقصود، ڈاکٹر عمران معصوم انصاری اور بہت سے احباب گرامی جنازہ میں شریک تھے۔

دریں اثناء محمد عبد الروف عمری ریاضی نے جامع مسجد کوئنیں کراس ڈڈلی میں بعد نماز جمعہ چاچا مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی، جس میں حاجی ذوالفقار قریشی، حاجی عبد الجبار قریشی، مولانا حبیب اللہ اثری، محمد عمر، عبد الرحمٰن قریشی اور بہت سے لوگ شریک تھے۔ دونوں مساجد میں خواتین بھی کثیر تعداد میں شریک نماز جنازہ تھیں، مولانا محمد ابراہیم میرپوری امیر جمعیت برطانیہ، حافظ حبیب الرحمٰن جہلمی ناظم اعلیٰ، مولانا شعیب احمد میرپوری، جناب افتخار احمد چودھری اور بہت سے دوست و احباب، اقارب ے بردار مرحوم کی تعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ اللہ کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان ومتعلقین و احباب کو صبر جمیل بخشے۔ آمین یا رب العالمین

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

☆☆☆

الامام ابو علی الحسن بن عبد العزیز رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

"من لم يردعه الموت و القرآن ثم تناطحت بين يديه الجبال لم يرتدع."

"جس شخص کو موت کا تذکرہ اور قرآن کی تلاوت گناہوں سے باز نہ رکھ سکے تو اگر اس کے سامنے پہاڑ بھی پھٹ جائیں وہ تب بھی گناہوں سے باز نہیں آئے گا۔"

بابا رتن ہندی

چھٹی صدی ہجری میں بٹھنڈہ میں رتن ہندی نامی ایک معمر شخص نے صحابی رسول ہونے کا دعوی کیا اور آپ ﷺ کی طرف نسبت کر کے کچھ روایات بیان کیں جن کے مجموعہ کو رتنیات کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اصابہ میں اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں اس کے دعوی کا ذکر کر کے اس کی تکذیب کی ہے۔(ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں: ص250-251)

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

400 ہجری کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ قریباً پانچ سو سال بعد گنج بخش کے لقب سے ملقب ہوئے۔ یہ کہنا کہ خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے انہیں گنج بخش کہا، درست نہیں۔ قدیم تذکروں اور ملفوظات خواجگان چشت سے ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔

فوائد الفواد کی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے وقت کے قطب تھے۔ شیخ حسین زنجانی (سید علی ہجویری سے) پہلے سے لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ مدت بعد ان کے پیر نے سید علی ہجویری سے فرمایا کہ لاہور جاؤ اور وہیں مقیم ہو جاؤ۔ سید علی نے کہا کہ وہاں حسین زنجانی مقیم ہیں۔ پیر صاحب نے کہا تم جاؤ۔ جب علی ہجویری لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ لوگ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لا رہے۔

(فوائد الفواد فارسی طبع لاہور ص57)

جناب محمد اسحاق بھٹی نے بھی نقل کیا ہے کہ مشہور ہے کہ حسین زنجانی کی وفات اس روز ہوئی جب علی ہجویری لاہور آئے۔(فقہائے ہند:1/101)(101)

فوائد الفواد کی یہ روایت نادرست معلوم ہوتی ہے۔ شیخ حسین زنجانی (مدفون چاہ میراں لاہور) کا سال وفات خزینۃ الاصفیاء میں 600ھ اور تحقیقات چشتی میں 606ھ ہے۔ ان کی لاہور آمد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سید یعقوب زنجانی کے ہمراہ آئے اور یعقوب زنجانی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ 525ھ میں وارد لاہور ہوئے۔ شیخ زنجانی کی قبر کا ایک کتبہ بھی بتایا جاتا ہے جس پر سن وفات 600ھ کندہ تھا، جو مرمت کے وقت اتار دیا گیا۔ یوں شیخ حسین زنجانی مدفون چاہ میراں سید علی ہجویری سے قریباً 130 سال بعد واصل بحق ہوئے اور ان سے خواجہ معین الدین اجمیری (م633ھ) نے لاہور میں ملاقات کی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر معتبر کتابوں میں موجود ہے۔

(کشف المحجوب مترجم دیباچہ از حکیم محمد موسی: ص51-52)

سید علی ہجویری کی لاہور آمد 460ھ کے بعد زیادہ قرین قیاس ہے۔ اور ان کا سال وفات 465ھ سے 469ھ ہے۔

امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ

شاہ ہمدان کا نام علی تھا۔ وہ بترجیح روایات 713ھ (1313ء) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شہاب الدین تھا جو ہمدان کے گورنر تھے۔ اپنے استاد شیخ محمود مزدقانی کی ہدایت پر آپ نے خوب سیاحت کی۔ ان اسفار میں مقربان خدا سے استفادہ اور اشاعت دین ہوتی رہی۔ کشمیر بھی آئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس وجہ امیر تیمور کی تہدید ہے۔ چنانچہ مرزا اکمل الدین محمد کامل بدخشی کشمیری ف1131ھ نے لکھا:

"گرنہ تیمور شور وشر کردی کسے امیر این طرف گزر کردی۔"

(بحر العرفان قلمی بحوالہ کشمیر میں اسلام کی اشاعت: ص73؛ ڈاکٹر محمد فاروق بخاری: ص73)

مگر واقعات اس کے خلاف ہیں کیونکہ تیمور 788ھ یا 789ھ میں ایران و عراق کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا۔(یزدی۔ ظفرنامہ۔ جلد1۔ ص287) جب کہ شاہ ہمدان 786ھ میں انتقال کر چکے تھے۔ لہٰذا امیر تیمور کی تہدید کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

شاہ ہمدان کے قریب العہد مورخ اور تذکرہ ان کی ایک ہی سیاحت کشمیر کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ سیاحت سلطان قطب الدین (1373ء-1389ء) کے دور حکومت میں ہوئی ان کا سال قدوم بترجیح روایات 785ھ ہے۔ سلطان قطب الدین اور اس کے وزراء شاہ ہمدان اور ان کے رفقاء کو عزت و احترام کے ساتھ شہر لائے۔ سری نگر میں آپ نے موجودہ خانقاہ معلی کے پاس قیام فرمایا اور وہاں ایک صفہ قائم کیا جہاں پہلی بار نماز باجماعت اور نماز جمعہ قائم کی۔ سلطان قطب الدین بھی یہیں پر حاضر خدمت ہوتے تھے۔ اس دور میں کشمیر میں مسلمان اقلیت میں تھے۔ لباس، رہن سہن، اطوار میں ہندوؤں سے کوئی فرق نہ تھا۔ قطب الدین نے۔۔ دو سگی بہنوں سے شادی کر رکھی تھی۔ شاہ ہمدان نے کڑی نکتہ چینی کی تو ایک کو طلاق دی۔

شاہ ہمدان نے اپنے ساتھیوں کو تبلیغ کے لئے کشمیر کے

گوشوں میں بھیجا اور مراکز تعمیر کرائے۔ ان کے علم وفضل، زہد وورع، تہذیب واخلاق کا اثر ہوا اور بہت لوگ مسلمان ہوئے۔ شاہ ہمدان نے کشمیر کا تعلق ان ممالک سے قائم کیا جو اسلام اور اسلامی تہذیب کا مرکز تھے۔ خود کتابیں لکھیں، رفقاء نے بھی لکھیں اور وسط ایشیاء سے بھی ساتھ لائے۔ وہ خود مسلکاً شافعی تھے۔ اگر چاہتے تو یہاں بھی بغیر کسی ادنی مشکل اس مسلک کو پھیلاتے، مگر چونکہ ان کے پیش رو مبلغ سید شرف الدین عبد الرحمن بلبل نے حنفی ہونے کی وجہ سے یہاں اسی مسلک کی تبلیغ کی تھی اس لئے سید ہمدانی نے اسی مسلک کو برقرار رکھا اور اسی کے مطابق لوگوں کو عبادت وعقائد کی تعلیم دی۔ (کشمیر میں اسلام کی اشاعت۔ ڈاکٹر محمد فاروق خان بخاری: ص 123)

شاہ ہمدان 786ھ میں واپس ہوئے 6 ذی الحج 786ھ- 19 جنوری 1385ء کو انتقال فرمایا۔ میت ختلان لے جائی گئی اور 25 جمادی الاول 787 - 12 جولائی 1385ء کو وہاں سپرد خاک ہوئی۔ (المعارف، لاہور۔ جولائی اگست 1988ء)

صوفیاء اور تبلیغ اسلام

ہندوستان میں صوفیاء کی تبلیغ اسلام کے ضمن میں یہ بات ملحوظ رہے کہ اس سلسلے کی بعض روایات مبالغہ آمیز ہیں۔ مثلاً

1۔ شیخ محمد اکرام نے بحوالہ جناب رحمان علی لکھا ہے: تاریخی کتابوں میں سب سے پہلے جس مبلغ اسلام کا نام آتا ہے وہ شیخ اسماعیل لاہوری تھے جو یہاں اس زمانے میں آئے جب ابھی لاہور میں ایک ہندو راجا حکمران تھا۔ وہ شائد سلطان محمود غزنوی کو خراج دیتا تھا لیکن سلطان نے ابھی لاہور میں اپنا نائب نہیں مقرر کیا تھا۔ شیخ اسماعیل بخاری سید تھے اور علوم ظاہری اور باطنی دونوں میں دسترس رکھتے تھے۔ ان کی نسبت لکھا ہے کہ واعظین اسلام میں وہ سب سے پہلے بزرگ تھے جنہوں نے لاہور شہر میں، جہاں وہ 1005ء میں آئے تھے، وعظ کیا۔ ان کی مجلس وعظ میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا اور ہر روز صدہا لوگ خلعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔ تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے:

از عظمائے محدثین ومفسرین بود۔ اول کسے است کہ علم تفسیر وحدیث بہ لاہور آوردہ۔ ہزار ہا مردم در مجلس وعظ وے مشرف باسلام شدند۔ در سال چہار صد وہشت ہجری در لاہور درگذشت۔ (آب کوثر، ص 75)

ہر روز صدہا مسلمان ہوں تو ایک سال میں کم وبیش 30 ہزار ہندو مسلمان ہونے چاہئیں اور میرا خیال ہے کہ اس دور میں لاہور کی کل آبادی بھی شائد اتنی ہی ہو گی۔ ویسے بھی یہ محدث ہیں، صوفیاء میں سے نہیں۔ جیسا جناب اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے کہ

آپ کو حدیث وتفسیر میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ حدیث وتفسیر کے علوم پہلی بار آپ کے ذریعہ لاہور میں عام ہوئے۔ لاہور ہی میں 448ھ میں فوت ہوئے۔ (ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں: ص 253)

2۔ جناب محمد زکریا کاندھلویؒ نے خواجہ معین الدینؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ

وہ باتفاق اہل تواریخ 537ھ ایران کے علاقہ سیستان میں پیدا ہوئے۔ آپ ہندوستان کے امام الطریق تھے۔ آپ ہی سے ہندوستان میں علوم معرفت کا افتتاح ہوا اور سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں آپ ہی سے پھیلا اور ہندوستان میں نوّے لاکھ آدمی آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ دس محرم 561ھ کو اجمیر رونق افروز ہوئے۔ حضرت کثیر المجاہدہ تھے۔ ستر (70) سال رات کو نہیں سوئے۔

(تاریخ مشائخ چشت: ص 166-169)

خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے ہاتھ پر 90 لاکھ افراد کے مسلمان ہونے کی بات بعض دیگر بزرگوں نے بھی لکھی ہے، لیکن اس کے بے بنیاد ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ان کی وفات کے وقت پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی کل آبادی بھی 90 لاکھ نہیں تھی۔ اور یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ اگر ساتویں صدی کے نصف اول میں صرف خواجہ اجمیری کے ہاتھوں مسلمان ہونے والوں کی تعداد 90 لاکھ ہو چکی تھی تو اس کے سات صدی بعد یعنی چودھویں صدی کے نصف میں ان کی تعداد 21 مرتبہ دوگنا ہو جانی چاہیے۔ اور یہ تعداد اتنی ہو جاتی ہے کہ پوری دنیا کی آبادی سے بھی زیادہ ہے۔

یہ تو بعض روایات کا حال ہے، دوسری طرف جب ہم صوفیا کے مستند تذکروں کو دیکھتے ہیں تو ان مبالغہ آرائیوں کے لئے کوئی وجہ جواز نظر نہیں آتی۔ فوائد الفواد خواجہ نظام الدین دہلوی کے ملفوظات اور ان کی مجالس کی کاروائیاں ایک شریک مجلس کی زبانی بیان ہوئی ہیں لیکن آپ کی کسی مجلس میں کسی غیر مسلم کے مسلمان ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ ایک مجلس کے حال میں لکھا ہے:

حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ ایک ہندو ہے وہ کلمہ پڑھتا ہے خدا کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت کو مانتا ہے۔ لیکن مسلمان آتے ہیں تو خاموش ہو جاتا ہے اس کا انجام کیسے ہو گا؟ حضرت خواجہ (نظام الدین) نے فرمایا اس کا معاملہ حق تعالی سے ہے۔ حق تعالیٰ جو چاہے اس سے کرے۔ اگر چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔ اس معنی ومفہوم کی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ بعض ہندو جانتے ہیں کہ اسلام حق ہے لیکن وہ مسلمان نہیں ہوتے۔ (فوائد الفواد۔ ص 278-279)

ایک اور مجلس کے حال میں لکھا ہے: ایک غلام جو آپ کے مریدوں میں سے تھا وہ اپنے ساتھ ایک ہندو

کو بھی لایا اور کہا یہ میرا بھائی ہے۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے حضرت خواجہ (نظام الدین) نے اس غلام سے پوچھا کیا تمہارے اس بھائی کا اسلام کی طرف بالکل میلان نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ میں اسے حضرت مخدوم کی خدمت میں اسی لئے لایا ہوں کہ وہ آپ کی نظر کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔ حضرت خواجہ (نظام الدین) یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ ان لوگوں کا دل کسی کے قول سے متاثر نہیں ہوتا لیکن اگر انہیں صحبت صالح مل جائے تو امید ہو سکتی ہے کہ اس صحبت کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائیں۔ (فوائد الفواد: ص 347)

جو مسلمان ہو جاتے تھے، ان کی تعلیم و تربیت کا بھی کوئی مناسب انتظام نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے بہت سے نو مسلم نام ہی کے مسلمان ہوتے تھے جیسا کہ جناب یوسف سلیم چشتی نے بتایا ہے کہ بعض اوقات ہزاروں کی تعداد میں ہندوؤں نے اسلام قبول کیا ہو گا، مسلمان علماء نے انہیں کلمہ پڑھا دیا اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ برائے نام مسلمان ہو گئے لیکن شرک و توہم پرستی سے نہ نکل سکے۔ جہانگیر نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کشمیر جا رہا تھا۔ دریائے جہلم کے کنارے قیام کیا۔ دوران قیام مجھے معلوم ہوا کہ یہاں کے مسلمان اپنے مردوں کو دفن نہیں کرتے بلکہ چتا پر جلاتے ہیں اور اپنی مسلمان لڑکیوں کی شادی ہندوؤں کے ساتھ بھی کر دیتے ہیں۔ 1911ء کی رپورٹ مردم شماری میں لکھا ہے: ملکانہ راجپوتوں میں جو بظاہر مسلمان ہیں، ابھی تک بہت سی رسوم ہندو مذہب کی موجود ہیں۔ یہ لوگ ہنود کے سے نام رکھتے ہیں، مندروں میں جاتے ہیں، دیوتاؤں سے استمداد کرتے ہیں۔ سلام کی جگہ وہی رام رام بولتے ہیں، بس مردوں کو دفن کر دیتے ہیں۔ (شاہ اسماعیل شہید۔ ص 156-157)

جناب ڈاکٹر مبارک علی نے ہند میں اشاعت اسلام کے اسباب و ذرائع پر بحث کر کے اپنی رائے یوں بیان کی ہے:

ہندوستان میں اشاعت اسلام کے بارے میں ایک بات بڑے وثوق سے کہی جاتی ہے اور اسے اسی طرح بغیر سوچے سمجھے تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام صوفیاء کے ذریعہ پھیلا۔۔ حالانکہ۔۔ ہندوستان میں اسلام اول جنوبی ہندوستان میں تاجروں کے ذریعہ پھیلا، پھر سندھ میں عربوں کی فتح کے بعد اور آخر میں ترکوں کی فتح کے بعد شمالی ہندوستان میں آیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل یہاں جو مذہبی سیاسی سماجی اور اقتصادی حالت تھی اس کی بنیاد ذات پات تھی۔ معاشرے کے مختلف طبقے مختلف ذاتوں اور طبقوں میں تقسیم تھے۔ ذات پات کی تقسیم میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ کوئی شخص اپنی صلاحیت کے ذریعے معاشرے میں کوئی اعلی مقام حاصل کر سکے۔ یہاں انسان کی پیدائش ہمیشہ کے لئے اسے ایک نہ تبدیل ہونے والا سماجی مقام اور مرتبہ دیتی تھی جس سے چھٹکارا پانا یا تبدیل کرنا اس کے لئے ایک ناممکن امر تھا۔۔ جب اسلام ان کے معاشرے میں آیا تو ان کے لئے ایک راستہ نکل آیا۔ ۔۔ جب اعلی ذات کے ہندوؤں سے رسم ورواج کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو بدنامی سے بچنے کے لئے اسلام قبول کر لیتے۔ محمود بنگلوری نے ملی بار کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ۔ رسم ورواج کے خلاف نائر جب کسی فعل کے مرتکب ہوتے تو اس بدنامی سے بچنے کے لئے یا تو وطن چھوڑ کر ایسی جگہ چلے جاتے جہاں ان سے کوئی واقف نہیں یا اسلام قبول کر لیتے۔ پولیوں کے لئے بھی اس ذلت سے بچنے کا طریقہ صرف قبول اسلام ہے۔ (محمود بنگلوری، تاریخ جنوبی ہند۔ لاہور۔ 1947ء ص 58)

جنوبی ہند میں نائر اعلی ذات والے تھے جب کہ پولی ادنی ذات کے تھے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام سے پہلے اس رسم ورواج سے چھٹکارا پانے کی ایک ہی صورت جلا وطنی تھی۔ اسلام کے بعد جلا وطنی کے ساتھ عقیدہ کی تبدیلی کی بھی آزادی ملی۔ چونکہ وطن چھوڑ کر جانا ہر ایک کے لئے مشکل ہوتا ہے اس لئے جب مسلم تاجر وہاں آئے اور انہوں نے اپنی بستیاں علیحدہ سے بسائیں تو اس صورت میں ان کے لئے یہ آسان طریقہ تھا کہ اسلام قبول کر کے ان کے معاشرے کا حصہ بن جائیں۔

اس کے علاوہ جنوبی ہند میں تاجروں کی آمد، رہائش، میل جول شادی بیاہ کنیزوں کی خریداری اور ان سے اولاد کا ہونا، وہ ذرائع تھے جن کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ان حقائق اور شواہد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنوبی ہند میں اسلام کی اشاعت کا سہرا تاجروں کے سر ہے، صوفیا کے نہیں۔

جنوبی ہند کے بعد مسلمانوں کی آمد سندھ میں بحیثیت فاتح ہوئی۔۔ محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والوں میں اگرچہ ہر طبقے کے لوگ تھے لیکن اکثریت بہر حال فوجیوں کی تھی۔ اور سندھ میں اسلام اس وقت پھیلا جب یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ سندھ کے سردار یکے بعد دیگرے محمد بن قاسم کے پاس آئے اور اس لئے مسلمان ہوئے تاکہ ان کی قدیم حیثیت باقی رہے اور وہ معاشرے میں اپنی قدیم مراعات کو برقرار رکھ سکیں۔ اس لئے جب حکمران طبقہ مسلمان ہوا تو عام لوگوں نے بھی ان کی پیروی کی اور اس کے مذہب میں شامل ہو گئے۔

شمالی ہندوستان میں اگرچہ مسلمان بحیثیت فاتح آئے اس کے باوجود یہاں کی اکثریت کو مسلمان نہیں کر سکے، کیونکہ اس علاقے میں برہمن ازم کی جڑیں انتہائی مضبوط تھیں، اور اس نے اسلام کا مقابلہ قوت کے ساتھ کیا۔ دوسرے شمالی ہندوستان میں برہمن مراعات طبقہ تھا، جس کی مراعات کی بنیاد مذہب پر تھی، اس لئے اس نے اپنی مراعات اور اپنی حیثیت کے تحفظ کے لئے اپنے پیروکاروں کو مذہب پر برقرار رکھا اس لئے یہاں جو تبدیلی مذہب ہوئی وہ ادنی ذات کے لوگوں میں ہوئی۔

اگر ہندوستان میں اشاعت اسلام کا جائزہ لیا جائے تو

ہمیں اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ملتی ہیں:

ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار قائم ہونے کے بعد ایک طبقہ ان لوگوں کا تھا جو اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر مسلمان حکومت سے تعاون کرنا چاہتے تھے تاکہ انہیں حکومت کی ملازمتیں، عہدے اور مناصب ملیں۔

دوسرے جاگیرداروں اور زمینداروں کا طبقہ تھا جو اپنی جاگیروں کا تحفظ چاہتے تھے اور یہ تحفظ تب ہی مل سکتا تھا جب وہ مسلمان ہو جاتے۔ نچلی ذات کے لوگ اس امید پر مسلمان ہوئے کہ اس صورت میں ان کا سماجی مرتبہ بڑھ جائے گا اور مسلمان معاشرے میں انہیں کوئی باعزت مقام مل سکے گا۔ وہ لوگ جو اپنی ذات و برادری سے خارج کر دیئے گئے تھے انہوں نے اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں پناہ لی۔ وہ لوگ بھی مسلمان ہوئے جن پر آپس کے میل جول اور خیالات کے تبادلے کا اثر ہوا۔

ایسے بھی تھے جو اسلام کا مطالعہ کرنیکے بعد خالص دینی جذبے کے تحت مسلمان ہوئے۔

اورنگ زیب کے زمانہ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ سردار، زمین دار یا جاگیردار زمین و جائیداد کے تحفظ کی خاطر مسلمان ہوئے۔ کان پور ڈسٹرکٹ کے کئی راجپوت زمین دار اسی طرح مسلمان ہوئے (ٹامس آرنلڈ، پریچنگ آف اسلام، لاہور، ص 266) پنجاب کے گکھڑ، معزالدین غوری کے زیر اثر مسلمان ہوئے۔ ان کا سردار جب گرفتار ہو کر آیا تو اس سے کہا گیا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کا علاقہ اور جائیداد اسے واپس مل جائیں گی۔ اسے یہ ترغیب بھی دی گئی کہ وہ اپنے قبیلے کو بھی مسلمان کرے۔ (آرنلڈ۔ ص 255)

ہندوستان میں صوفیاء کو ہم دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک وہ جو مذہبی لحاظ سے تنگ نظر تھے اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایسے صوفیاء کا ہندوؤں کو اپنے اخلاق سے متاثر کرنا ایک مشکل کام تھا۔۔۔ دوسرے وہ صوفی تھے جو وحدت الوجود کے ماننے والے تھے اور جن کی نظر میں مذہب وعقیدے کی عزت تھی۔ یہ صوفی ذہنی لحاظ سے وسیع المشرب تھے۔۔ ان کے نزدیک ہندو، مسلمان، بدھ، عیسائی سب برحق تھے۔ ان صوفیاء نے ہندوستان میں ہندو مسلم اشتراک کی تحریک چلائی۔ چشتیہ، قادریہ، امدادیہ، اور غوثیہ سلسلوں کے صوفیاء نے اس بات کی کوشش کی کہ تمام مذہبوں میں یک جہتی کے اصول تلاش کر کے ان میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ انہوں نے اس قسم کی کوئی تحریک نہیں چلائی کہ لوگوں کو ان کے مذہب سے چھڑا کر انہیں مسلمان کیا جائے۔

ہندوستان میں بہت سے قبائل اور برادریاں اس بات کا دعوی کرتی ہیں کہ وہ کسی خاص بزرگ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس قسم کی روایات ایک خاص مقصد کے تحت وضع کی گئی ہیں۔

اس ذریعہ سے وہ شائد اس بات کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہوں کہ وہ کسی لالچ اور جبر کے تحت مسلمان ہوئے، یا خود کو ان بزرگ سے منسوب کر کے مسلمان معاشرے میں بہتر مقام پیدا کرنا چاہتے ہوں۔ مثلاً الور کے خانزادے اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ ان کے جد امجد ناھر بہادر فیروز شاہ تغلق کے عہد میں قطب الدین بختیار کاکی کے ہاتھوں مسلمان ہوا جب کہ دونوں شخصیتوں کے عہد میں تقریباً دو سو برس کا فرق ہے۔

(محمد مخدوم تھانوی۔ مرقع الور۔ آگرہ 1876ء ص 17-18)

تاثرات غم

عبد القدیر بھائی کا ہمارا چلا گیا — بے حد محبتوں کا سراپا چلا گیا
اللہ کے نظام کا پابند تھا — دنیا کو چھوڑا جانب عقبی چلا گیا
توحید اس کی زیست میں شامل سدا رہی — سنت کا لے کے ساتھ اجالا چلا گیا
آئی تھی موت آ گئی، کیا اس پہ اختیار — قدرت کا انتظام تھا جانا، چلا گیا
کتنے حسین خلق تھے عبد القدیر کے — خرد وکلاں کو اپنا بنایا چلا گیا
تادیر اس کو بھول نہ پائے گا یہ جہاں — دے کر خلوص وانس کا تحفہ چلا گیا
مل جائے اس کو جنت الفردوس میں جگہ — ثاقب کے دل پہ اس کا تھا قبضہ چلا گیا
اس کے ہر اک گناہ سے کر درگزر خدا — گاتا ہوا وہ تیرا ہی نغمہ چلا گیا
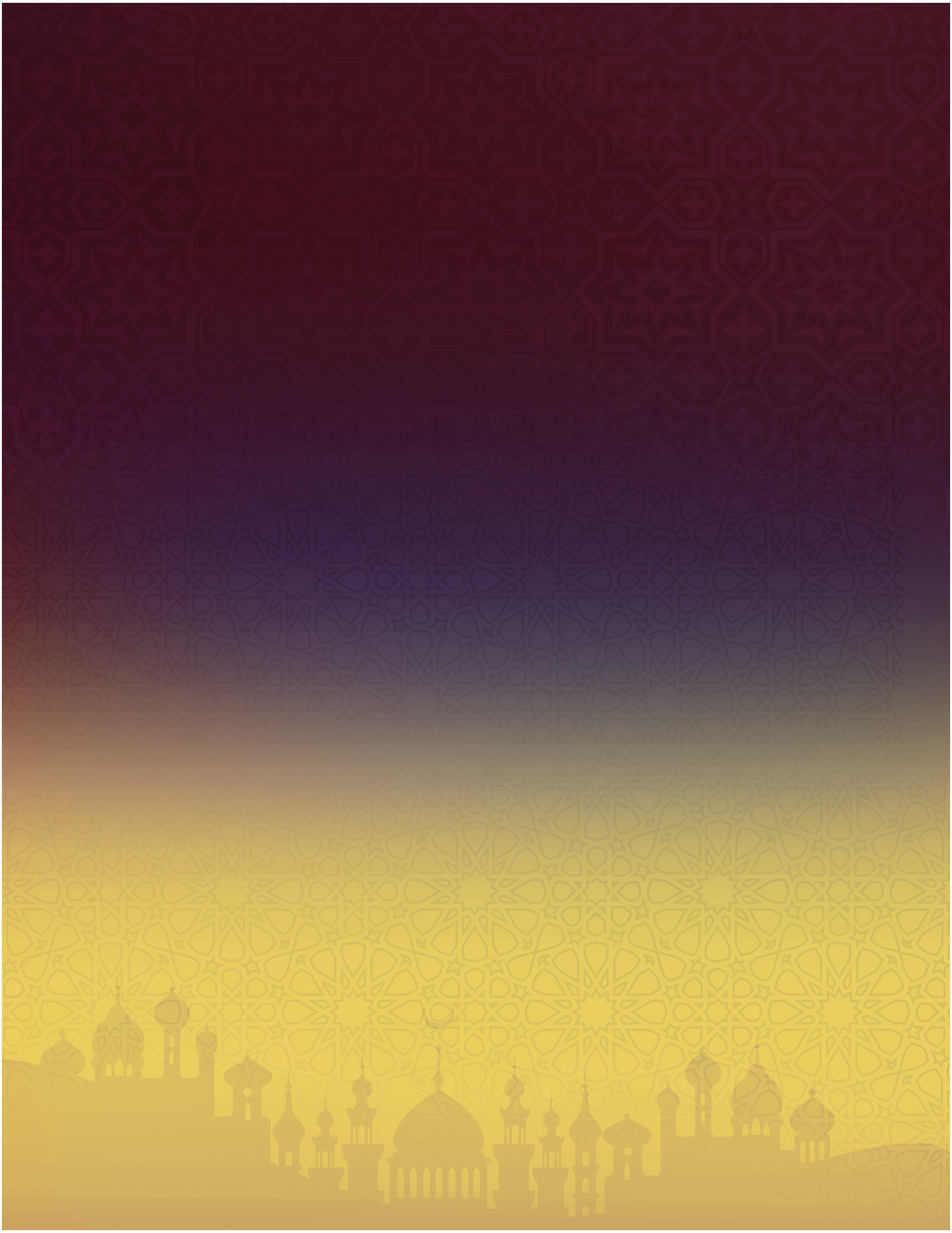
ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی